فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ

افتتاحیہ

اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں محسوس کیجیے

إعرف عدوّك

یہ تہذیبی تصادم نہیں، صلیبی جنگ ہے!

وأعدّوا لہم مااستطعتم

دشمن کے خلاف تیاری (اعداد) کی شرعی اہمیت

خذواحذرکم

امنیت

قال أهل الثغور

قائدینِ جہاد کے اقوال

متفرّقات

وصیتِ شہید۔امِّ خالد کا خط و دیگر

حِطّین

عالمی تحریکِ جہاد کا ترجمان

شمارہ ۱، محرم۔صفر ۱۴۲۸ھ

حطّین وہ میدان ہے جہاں تاریخ کا ایک عظیم معرکہ لڑا گیا تھا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمانوں نے صلیبی حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی تھی۔ یہی جنگ اہلِ کتاب سے مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا مقدمہ بنی۔

آج امتِ مسلمہ پھر اسی مرحلے سے دوچار ہے۔ آج پھر اہلِ اسلام پر ایک صلیبی جنگ مسلط ہے۔ ہاں البتہ فرق اتنا ہے کہ کل کی صلیبی جنگ میں صرف قبلہء اول مسجدِ اقصیٰ مسلوب تھی تو آج کعبۃ اللہ کی سرزمین بھی یہود و نصاریٰ کے نرغے میں ہے۔ یاد رکھیے کہ موجودہ دور کی صلیبی جنگ کا مقابلہ بھی اسی طرح ممکن ہوگا جس طرح ماضی کی صلیبی جنگوں کا مقابلہ کیا گیا تھا، بلکہ اُس سے بھی زیادہ قوت اور قربانیوں کے ساتھ... کیونکہ کل کی صلیبی جنگ کا شکار محض مسلمان تھے جب کہ آج اسلام بجائے خود ہدف ہے۔ بس یہی حِطّین کا پیغام ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں محسوس کیجیے!

زید الخیر

آج دنیا بھر میں مسلمان چاروں طرف سے کفار کے نرغے میں ہیں۔ مسلمانوں کی یہ حالتِ زار کافی عرصے سے مستقل چلی آرہی ہے۔ اندلس ہمارے ہاتھ سے چھن جانے کے بعد سے اب تک کی تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو یہ بات واضح ہے کہ پے در پے تھپیڑے کھانے کے باوجود ہمیں اپنا آپ سنبھلتے دکھائی نہیں دیتا۔ تاہم سرزمینِ افغانستان سے پھوٹنے والی جہاد کی کرنوں نے اندھیروں کی اس شدت کو گھٹانے میں جو کردار ادا کیا وہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

آج مغربی کفر جس چیز سے لرزہ براندام ہے وہ چند بے سروسامان لوگوں کا وجود ہے۔ وہ لوگ جن کا کوئی گھر نہیں، کوئی وطن نہیں۔ کوئی ملک جنھیں پناہ دینے کو تیار نہیں۔ باگرام کے اذیت کدے ان کے لیے سجائے گئے ہیں، گوانتا ناموکے ویرانے ان کے مبارک چہروں سے روشن ہیں، ابوغریب کے درو دیوار ان کی استقامت پر حیران ہیں، شبرغان اور دشتِ لیلیٰ کی مٹی ان کی روندی کچلی ہوئی ہڈیوں کے اثر سے مشکبو ہے۔ عراق کی فضائیں بارود کی خوشبو کے ساتھ ساتھ انھی کے خون سے مہک رہی ہیں، وہاں ان کا رہبر ابومصعب زرقاوی، آٹھ سو نوجوانوں کو شہیدی حملوں پر بھیج کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اہلِ شیشان کا غم خوار 'خطاب' کوہ قاف کی وادیوں میں تہہِ خاک جا سویا لیکن جاتے جاتے بھی اس نے صلیبی روس کا بتِ پندار پاش پاش کر ڈالا۔ اسی جوانِ رعنا کے انیس ہم وطن نوجوانوں نے دنیا کے دوسرے کنارے پر طاغوتِ اکبر کو ضرب لگائی اور پینٹا گون اور ٹریڈ سنٹر کو اپنے قہر سے پھونک ڈالا۔ ان انیس نوجوانوں نے جس شخص کو امیر المومنین کہا تھا وہ آج بھی کابل سے قندھار تک، تاریخ کی ایک بڑی صلیبی جنگ کے خلاف لشکرِ اسلام کا میدانی قائد ہے۔ آگ اور خون کے اسی منظر نامے میں جہاں ایک طرف جدید ترین ہتھیاروں اور بے پناہ وسائل سے لیس کفری اتحاد ہے، تو دوسری طرف ایک ایسا فرد اہلِ ایمان کی قیادت

کررہا ہے جسے دنیا اسامہ بن محمد بن لادن کے نام سے جانتی ہے!

جو لوگ اسے قریب سے جانتے ہیں اور جنھیں ہم جانتے ہیں، انھوں نے ہمیں بتایا کہ اس ارب پتی تاجر نے حبِ جہاد اور مظلوم مسلمانوں کی نصرت کا جذبہ لیے ہوئے دیارِ حجاز کو خیر باد کہا تو دنیا جہان کی نعمتیں اسے حاصل تھیں۔ خود اس کا کہنا ہے کہ دنیا بھر میں یہ سعادت صرف اسی کے خانوادے کے حصے میں آئی تھی کہ اپنے ذاتی جہاز میں بیٹھ کر ایک دن میں تین مختلف وقتوں کی نمازیں، تین مقدس ترین مسجدوں یعنی حرم مکّی، حرمِ مدنی اور مسجدِ اقصیٰ میں ادا کرتا تھا۔ اشراف کا یہ خانوادہ آج کہاں ہے؟..... کسی کو معلوم نہیں! لیکن اس کے آٹھ بیٹے، بارہ بیٹیاں اور ان سب بچوں کی مائیں، آج نہ سعودی عرب کے محلّات میں ہیں، نہ برطانیہ کے راحت کدوں میں.... بلکہ پہاڑوں، ریگ زاروں اور ویرانوں میں کہیں روپوش ہیں۔ ان ماؤں کا ''جرم'' صرف اتنا ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے حرم میں ہیں جو کفر کو کفر کہہ کر پکارتا ہے اور اسے زیردست دیکھنا چاہتا ہے۔ ان بچوں کا ''قصور'' محض یہ ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کی اولاد ہیں جس نے کہا ربّي اللّٰه.... اللہ ہی میرا ربّ ہے اور پھر اسلام کی سربلندی کے خواب کی تعبیر پانے کے لیے اپنا سب کچھ لٹا گیا۔ ایسے میں جب سب سو رہے تھے، اس نے مسلمانوں کو جگانے کے لیے اپنی زندگی کے بیس سال ہندوکش کے برفیلے محاذوں پر پگھلا دیئے۔ جب بڑے بڑے مشائخ طاغوتوں کے ظہرانے اور عشایئے اڑا رہے تھے، تو وہ تنہا ہی دشمنوں کے مورچے پھلانگ رہا تھا۔ جب غلبۂ اسلام کے بہت سے دعویدار یورپ و امریکا کو ''دارِ دعوت'' قرار دے کر ان سے ''مکالموں'' کے جال میں الجھے ہوئے تھے، تو وہ شخص سر ہتھیلی پر لیے اپنے جاں بازوں کے ساتھ تورا بورا کی گھاٹیاں عبور کر رہا تھا۔ جب داعیانِ دین کہلانے والے حضرات، قطر، خرطوم، لندن اور کوالالمپور کے پانچ ستارہ ہوٹلوں میں طواغیتِ یہود و نصاریٰ سے ''بین المذاہب ہم آہنگی'' اور ''امن'' کی بھیک مانگ رہے تھے تو وہ ان ساری رنگینیوں سے دور کہیں غاروں میں اصحاب الکھف کی یاد تازہ کر رہا تھا.... آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ شخص اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں محسوس کرتا ہے!

سوال یہ ہے کہ کیا باقی ایک ارب تیس کروڑ امّت حالتِ جنگ میں نہیں ہے؟ جب کہ اہلِ صلیب نے پورے عالمِ اسلام کو اپنی تہذیبی، ثقافتی، تعلیمی اور عسکری یلغار کی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ صرف ایک ہی شخص اور اس کے چند ہزار ہم فکر ساتھی دشمن کے تیروں کو اپنے سینوں پر روک رہے ہیں؟ کیا

دشمن ہر ایک مسلمان ملک کے نصابِ تعلیم میں الحاد اور بے دینی کا خاموش زہر نہیں انڈیل رہا، کیا صلیبی کفر کی پروردہ این جی اوز ہماری عورتوں کو بانجھ بنانے کے لیے گھر گھر کے چکّر نہیں کاٹ رہیں، کیا انٹرنیٹ اور موبائل فون کے ذریعے بے حیائی پھیلانے کا سامان اہلِ مغرب نے ہمارے ہر بچّے اور بڑے کے ہاتھ میں نہیں تھما دیا، کیا کفری قوانین کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنے والی تحریکوں کو یہی صلیبی اقوام عالمِ اسلام میں پروان نہیں چڑھا رہیں؟ کیا ان کے بنائے ہوئے سرکاری اور نجی خفیہ اداروں کے جال کی وجہ سے امت کے ہزاروں نوجوان ''لاپتہ'' افراد کی فہرست میں شامل نہیں ہو چکے؟ کیا یہ اقوام شیشان میں اہلِ اسلام کو کچل دینے کے لیے صلیبی روس کی حمایت نہیں کرتیں؟ کیا یہ سب کافر نسلیں، فلسطین کے مجاہدین کو دہشت گرد کہہ کر اور دوسری طرف یہودی ریاست کو اسلحے کے ڈھیر عطا کر کے اس کی سر پرستی نہیں کرتیں؟ کیا لاکھوں کشمیری مسلمانوں کے خون کو رائیگاں قرار دے کر ملیچھ ہندوؤں کو تھپکی دینے والے یہی عبّاد الصلیب نہیں ہیں؟

....تو کیا وہ مسلمان جس کا قبلۂ اوّل یہودیوں نے دبوچ رکھا ہو، جس کے دینی مراکز مکہ و مدینہ کی سرزمین، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جزیرے پر لاکھوں صلیبی افواج قابض ہوں، کیا وہ مسلمان جس کا سارا وطن، نیل سے لے کر کاشغر تک یہود و نصاریٰ کی سازشوں کے نرغے میں ہو، اور کیا وہ مسلمان جس کے سامنے لبنان کے کھنڈرات، فلوجہ کی شہید مسجدیں اور فلسطینی و عراقی بچوں کے اَن گنت کٹے پھٹے لاشے ہوں اور کیا وہ مسلمان جسے کشمیر اور ابوغریب کے عقوبت خانوں میں مسلم عورتوں کے ساتھ ہونے والی درندگی کا علم ہو اور کیا وہ مسلمان جو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں ہونے والی گستاخیوں کو جانتا ہو، جس کی مقدس کتاب کو اسے دکھا کر اور جتا کر جلایا اور گندی نالیوں میں بہایا جائے ....وہ اگر اب بھی اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں محسوس نہ کرے تو آخر کب کرے گا؟ کیا اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد نہیں؟

''من أصبح ولم یهتم بأمور المسلمین فلیس بمسلم''

پس اے میرے بھائی، اور اے میری بہن! دلوں میں اس احساس کو زندہ کیجیے کہ آپ حالتِ جنگ میں ہیں! جی ہاں آپ حالتِ جنگ میں ہیں! دشمن کی تلواروں کی، اپنی نیاموں تک ''بحفاظت'' واپسی کے بعد یہ احساس بے فائدہ ہوگا۔ پس احساس کیجیے! یہ احساس آپ کے رویّے کو بدل دے گا، اور رویّوں میں تبدیلی کے بغیر فرائض کی ادائیگی ناممکن ہوتی ہے!

یہ تہذیبی تصادم نہیں، صلیبی جنگ ہے!

بتّار خراسانی

امریکی مجلّے 'فارن افیئرز' نے ۱۹۹۳ء میں سیموئیل ہنٹنگٹن کا مقالہ ''تہذیبوں کا تصادم'' چھاپا جو بعد ازاں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ یہ مقالہ مستقبل میں اہلِ کفر کی جانب سے اسلام پر ہونے والی یلغار سے متعلق ایک واضح اشارہ تھا۔ بالخصوص جب کہ اس مقالے میں یہ لکھا گیا تھا کہ:

''مغربی تہذیب کا سب سے بڑا حریف اسلام ہے''۔

مقالہ نگار نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ مستقبل کی جنگیں تہذیبی عوامل کی بنیاد پر لڑی جائیں گی۔ اس مقالے کے مندرجات کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ ہنٹنگٹن کوئی عام مقالہ نگار نہیں بلکہ ہاورڈ یونیورسٹی کا ''پروفیسر ہنٹنگٹن'' ہے اور امریکی پالیسی ساز اداروں کے یہاں اس کا خاص مقام ہے۔ عین اس وقت جب مغرب کے زرخیز دماغ اپنی تہذیب اور اسلام کے درمیان پیش آنے والے (یک طرفہ!) تصادم یعنی جنگ کی نقشہ گری کر رہے تھے، بدقسمتی سے ہمارے یہاں کے ''دانش ور'' اور ''مفکرین'' ان ارادوں کو محض ایک ''واہمہ'' قرار دیتے ہوئے ''تہذیبوں کے مابین مکالمے'' کی دعوت دینے میں مصروف نظر آتے تھے۔

ان صاحبان کے نزدیک تہذیبی تصادم کی بات ہی فضول تھی کیونکہ ''تہذیبوں'' کے مابین تصادم تو ہو ہی نہیں سکتا، تہذیبیں آپس میں نہیں ٹکراتیں بلکہ لڑتی تو بدتہذیبی سے بدتہذیبی ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ بعض دینی تحریکوں کی جانب سے بھی ایسی ہی صدائیں اٹھنا شروع ہو گئیں کہ تہذیبوں کے درمیان مکالمے اور ہم آہنگی کا فروغ ضروری ہے۔ اور کچھ نام نہاد مفکرین نے تو اس فکر کا پرچار کرتے کرتے دین کے اساسی عقائد میں بھی دانستہ و نادانستہ تحریف کر ڈالی۔ اسی عرصے میں ہم نے ''بین المذاہب ہم آہنگی کا فروغ''، ''نظریہ عدم تشدد''، ''پرامن بقائے باہمی''، ''ہمارے مسیحی بھائی'' اور ''ملتِ ابراہیمی برائے تقاربِ ادیانِ ثلاثہ'' جیسی اصطلاحات کا غوغا سُنا۔ ایک طرف ہمارے دانش ور حضرات یہ ساری ''خدمات'' انجام دینے کی سعیٔ نامشکور میں مشغول تھے اور دوسری طرف ہمارا دشمن ''(یک طرفہ!) تہذیبی تصادم'' کو اس لفظ کے مکمل معنوں میں برپا کر دینے کی تیاّری میں مصروف تھا۔ خلیج پر ۹۱ء کے صلیبی حملے اور اس کے کے بعد عراق پر اقتصادی پابندیوں کے ذریعے دس لاکھ

معصوم بچوں اور دیگر کئی لاکھ مسلم مرد و زن کا قتل ہماری آنکھیں کھولنے کیلئے کافی تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ کویت کی نام نہاد آزادی محض بہانہ تھا، اصل ہدف یہی تھا کہ ایک بار پھر عالمِ اسلام کے عین قلب میں اہلِ کفر مورچہ بند ہو جائیں۔ حق تو یہ ہے کہ صاحبانِ بصیرت نے نیو ورلڈ آرڈر سامنے آتے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ یہ ایک نئی اور ہمہ جہت صلیبی جنگ کا آغاز ہے۔

مغرب کی قیادت اس جنگ کو صلیبی جنگ کے طور پر لڑ رہی ہے!

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد کی مہمات اور افغانستان و عراق پر امریکی قبضہ اسی صلیبی جنگ کا تسلسل ہے، اور جو لوگ اس صلیبی مہم کو مجاہدین کی کارروائیوں کا ردِعمل قرار دیتے ہیں، ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ایک تجزیہ نگار کا اتنا سا تبصرہ کافی ہے:

''خود رحمی اور خود مذمتی کے مرض میں مبتلا لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے گیارہ ستمبر کو امریکا کی تجارتی اور دفاعی علامتوں کو نشانہ بنایا، ایسا نہ ہوتا تو مغرب ہم پر کیوں چڑھ دوڑتا؟ ایسے لوگوں کی لاعلمی اور کم علمی افسوسناک بلکہ شرمناک ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا بہادر شاہ ظفر نے لندن پر حملہ کر دیا تھا جو انگریز پورے برصغیر پر چڑھ دوڑے؟ کیا الجزائر کے مسلمانوں نے پیرس کو تہہ و بالا کر دیا تھا جو فرانس الجزائر پر قابض ہو گیا؟ کیا مسلمانوں نے جرمنی، ہالینڈ، پرتگال، اور اٹلی کے خلاف کوئی جنگ برپا کی تھی کہ وہ پورے مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ پر قابض ہو گئے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ اہلِ مغرب کا شعور اپنی نہاد میں اتنا مجرمانہ ہے کہ وہ اپنی کسی حرکت کے لئے کسی جواز کا محتاج نہیں''۔

مسلمانوں کے خلاف صدیوں کا صلیبی بغض و عناد، افغانستان و عراق کی عام آبادی پر ٹام ہاک اور ڈیزی کٹر برسانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ وہاں پر کٹھ پتلی مرتد حکمرانوں کی تعیناتی آخر کیا معنی رکھتی ہے؟ اس سوال کا جواب امریکی صدر بش کی زبان سے سننا چاہیں تو وہ یہ ہے کہ یہ ایک صلیبی جنگ ہے۔ امریکی طاغوت بش نے ۲۰۰۱-۹-۱۶ کو ایک صحافتی نشست میں یہ بات کہی تھی کہ:

"This crusade, this war on terrorism is going to take a while."

اسی طرح امریکی مجلّے نیشنل ریویو نے لکھا:

''محض ان حملوں کی منصوبہ بندی کرنے والے ہی مجرم نہیں بلکہ نیو یارک اور واشنگٹن پر حملوں کی

خبر سن کر جن کے چہروں پر مسکراہٹ آئی تھی، وہ تمام لوگ مجرم ہیں۔ ہمیں ان کے ملکوں پر حملہ کر کے ان کی قیادت کو ہلاک کرنا ہوگا''۔

طاغوتِ اکبر امریکہ کے فرعون بش نے ''صلیبی جنگ'' کے یہ الفاظ 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' پر حملے سے فوراً پہلے کہے تھے۔ مطلوب تو یہ تھا کہ بش کی ناپاک زبان سے یہ اعلانِ جنگ سنتے ہی اسلامیانِ عالم خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتے لیکن....

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔

مسلمانوں کی اکثریت نے اس موقعے پر بھی اپنی روایتی غفلت نہ چھوڑی جب کہ منافقین نے امریکی طاغوت کے اس جملے کو اتفاقی قرار دے کر ٹال دیا۔ حالانکہ ماہرینِ نفسیات یہ کہتے ہیں کہ عام حالات میں بھی زبان کا پھسلنا اتفاقی امر نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اس کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی پس منظر ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی یہ نفسیاتی پس منظر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عیاں ہوتا گیا؛

﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَر قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْن﴾

جارج بش کے سابق اٹارنی جنرل ایش کرافٹ نے اسلام اور عیسائیت کے تصورِ خدا کا موازنہ کیا اور عیسائیت کے تصورِ خدا کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے اٹلی کا وزیر اعظم برلسکونی بھی کہہ چکا تھا کہ

''مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے اور اس نے جس طرح کمیونزم کو شکست دی ہے، اسی طرح اسلامی تہذیب کو بھی شکست دے گی''۔

بش نے ایک دوسرے موقعے پر کینیڈین فوجیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہی جملے دہرا کر ثابت کیا کہ وہ اپنے کہے ہوئے حرف حرف پر یقین رکھتا ہے۔ اس نے کہا:

''آیئے اور ہمارے شانہ بشانہ اس صلیبی جنگ میں شامل ہو جایئے''۔

بنا بریں رابرٹ فسک نے اپنے ایک مقالے میں لکھا:

''یوں معلوم ہوتا ہے کہ صدر بش فی الواقع خود کو صلیبی جنگ کا قائد سمجھ رہے ہیں، ایک دفعہ متنبّہ کیے جانے کے باوجود دوبارہ 'کروسیڈ' کا لفظ بولنا یہی ظاہر کرتا ہے''۔

مغربی صلیبی قیادت کے یہ چند بیانات ہی اس باب میں ان کے ''شعور'' کا پتہ دیتے ہیں۔

حقیقت میں عالمِ اسلام پر مسلّط کردہ صلیبی جنگ کی جڑیں بہت گہری ہیں۔گزشتہ نصف صدی تک کفر کی آلہ کار مرتد حکومتوں کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کے بعد،ایک بار پھر براہِ راست سامراجی قبضے کا آغاز ہو چکا ہے۔صلیبی افواج ہمارے بحر و بر اور فضاؤں میں آزادانہ نقل وحرکت کر رہی ہیں حتیٰ کہ عالمِ اسلام کے قلب 'جزیرۂ عرب' میں کفّار کے لشکر نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں تا کہ 'عظیم تر اسرائیل' کا قیام ممکن ہو سکے۔لیکن یہ ساری یلغار محض عسکری نہیں بلکہ فکری اور ثقافتی بھی ہے۔ باگرام اور گوانتانامو میں قرآنِ مجید کی مسلسل بے حرمتی، ابوغریب میں مسلمان قیدیوں کی تذلیل،مغربی اخبارات میں توہینِ رسالت پر مبنی خاکوں کی اشاعت، ویٹی کن کے پوپ اور دیگر نصرانی پادریوں کی طرف سے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی، یہ سارے واقعات اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' درحقیقت ''اسلام کے خلاف جنگ'' ہے۔اس ساری مہم میں امّت کی تہذیبی و عقائدی شناخت کو مسخ کرنا،اسلامی بیداری کی تحریکوں کو ملیامیٹ کرنا اور امّت کے قیمتی وسائل کو ہڑپ کرنا ہی ان کے بنیادی اہداف ہیں۔اور مجاہدین چونکہ اس جنگ میں امّت کی طرف سے ''خطِ اوّل'' پر کھڑے ہیں لہٰذا ''باطل کے سارے تیروں کا رخ'' انھی کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

صلیبی جنگوں کا تاریخی تسلسل

تاریخ کا مطالعہ انسانی فہم کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ مطالعہ اگر خالصتاً علمی بنیادوں پر، دقّتِ نظر کے ساتھ کیا جائے تو تاریخی واقعات کی تہہ میں پوشیدہ اسباب وعوامل کا سُراغ لگایا جا سکتا ہے۔قرآنِ حکیم نے بار بار تاریخی واقعات کے حوالے دے کر ان پر غور وفکر کا حکم دیا ہے۔لیکن یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ معاصر مسلمانوں میں سے بہت کم لوگ تاریخی شعور سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ جو لوگ تاریخ کے طالب علم ہونے کے مدّعی ہیں ان میں سے بھی اکثر کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ملّت کی تاریخ سے زیادہ مغربی تاریخ پر عبور رکھتے ہیں۔ایک بڑے طبقے نے اپنی تاریخ جاننے کے لئے بھی مغربی [صلیبی] اہلِ قلم کو پڑھا ہے چنانچہ واقعات وحوادث کو بھی ان کی عینک سے دیکھنے کی عادت میں مبتلا ہیں۔

فرانس سے حطین تک....

قرونِ اولیٰ میں مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں شام وشمالی افریقہ کی فتوحات نے نصرانیوں کے دل بُغض وعناد سے بھر دیئے تھے۔ اس اسلام دُشمنی میں کلیسا نے بنیادی کردار ادا کیا کیونکہ ایک تو اُس کے مفادات اپنے نصرانی نوابوں اور بادشاہوں سے وابستہ تھے۔ دوسرے اسلامی فتوحات نے یورپی عقل کو کلیسائی خرافات سے آزادی دلانے میں جو کردار ادا کیا تھا اس کا اہلِ کلیسا کو بہت رنج تھا۔ انتقام میں انھوں نے اسلام کے خلاف خوب زہریلا پروپیگنڈا کیا اور عام نصرانیوں کے اندر اسلام اور مسلمانوں سے تعصّب کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا۔

۴۸۹ھ [۱۰۹۵ء] میں پوپ اربن دوئم نے فرانس میں پادریوں کے ایک جمِّ غفیر سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اسلام شیطانی مذہب ہے اور اس کے ماننے والے ایک شیطانی مذہب کے ماننے والے ہیں لہٰذا ہمارا یہ فرض ہے کہ اس شیطانی مذہب اور اس کے پیروکاروں کو روئے زمین سے نابود کر دیں''۔

اس کے بعد اس نے پورے یورپ کو ایک پرچم تلے جمع ہونے اور (بیت المقدس کی آزادی کے لئے) مسلمانوں کے خلاف ''صلیبی جنگ'' کی ابتدا کرنے کی دعوت دی، تمام یورپی اقوام صرف تین سال کے اندر ایک کمان میں جمع ہوئیں اور دارالاسلام پر حملہ آور ہوگئیں۔ شام کی سلجوقی سلطنت نے آگے بڑھ کر اس وحشی ہجوم کا راستہ روکا چنانچہ یہ اولین حملہ اپنے مطلوبہ اہداف کی تکمیل میں ناکام ہوگیا۔ چند سال بعد دوسرا اور نسبتاً زیادہ منظّم حملہ کیا گیا لہٰذا اس میں انھیں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ ۴۹۱ھ میں وہ انطاکیہ میں داخل ہوئے جہاں سے انھوں نے بیت المقدس کا رخ کر لیا اور ۴۹۲ھ میں وہاں پہنچ گئے، اس کے بعد ۴۹۴ھ میں حیفا، ۴۹۷ھ میں عکّا، ۵۰۳ھ میں طرابلس، اور ۵۰۴ھ میں صیدا یکے بعد دیگرے نصرانیوں کے ہاتھوں تاراج ہوتے گئے۔ صلیبیوں کی یہ کامیابیاں دراصل مصر کے مرتد فاطمی حکمرانوں (سلاطینِ عبیدیہ) کی مرہونِ منت تھیں جنھوں نے سنّی سلجوقی سلطنت کے خلاف اس شرط پر صلیبیوں کا ساتھ دیا کہ سلجوقی سلطنت کے خاتمے کے بعد شام کے علاقوں میں انھیں بھی حصّہ دیا جائے گا۔

اس کے بعد تیسرا حملہ کیا گیا تا کہ عالمِ اسلام میں صلیبی نفوذ کو مستحکم کیا جائے لیکن اب کی بار مسلمانوں کے مختلف جہادی مجموعوں اور سلطنتِ آلِ زنگی کے مجاہدین نے آگے بڑھ کر انھیں روکا۔ مسلمانوں اور صلیبیوں کے ان معرکوں میں کبھی ایک فریق کا پلڑا بھاری رہتا اور کبھی دوسرے کا تا وقتیکہ ۵۸۳ھ میں صلاح الدین ایوبیؒ نے حطّین کی جنگ میں اہلِ صلیب کی کمر توڑ کے رکھ دی۔ مگر یہ فیصلہ کن معرکہ تب ہی جیتا جا سکا جب صلاح الدین ایوبیؒ نے داخلی دشمن (فاطمی سلطنت) کو پہلے ہی جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ صلیبی ریاستوں کو جنگوں کی ایسی چاٹ لگی کہ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ان کی یورش جاری رہی لیکن ہر دفعہ انھیں مسلمان ریاستوں اور غیر ریاستی جہادی مجموعوں کی جانب سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ انھی معرکوں میں سے ایک میں سلطان ظاہر الدین بیبرس نے شاہِ فرانس لوئی نہم کو اس کے ہزاروں سپاہیوں سمیت قید کر لیا۔

اٹھارویں وانیسویں صدی کی صلیبی جنگ

ان ذلت آمیز شکستوں کے بعد اہلِ صلیب نے عالم اسلام کے بارے میں اپنی حکمت عملی میں بنیادی تبدیلیاں کیں۔ چنانچہ طویل سوچ بچار کے نتیجے میں، تقریباً چھے صدیاں بعد نئی دنیائیں اور نئے بحری تجارتی راستے تلاش کرنے کے بہانے عالمِ اسلام کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا۔ ان میں مشہور ترین سفر ''واسکوڈی گاما'' کا تھا۔ جس کے اختتام پر یہ کہا گیا کہ ''ہم نے عالمِ اسلام کی گردن میں رسی ڈال دی ہے۔ اب صرف اسے کھینچنا باقی ہے'' اور بعد میں ہوا بھی یہی۔ وہ دور جسے استبداد نے ''نو آبادیاتی دور'' کا نام دیا تھا دراصل صلیبی جنگوں ہی کا تسلسل تھا۔ اٹھارہویں صدی میں یورپ کی وحشی اقوام تہذیب کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اپنے جغرافیوں سے نکلیں اور دیکھتے ہی دیکھتے طاقت کے بہیمانہ استعمال اور سازشوں کے سہارے کم وبیش پورے عالم اسلام پر مسلط ہو گئیں۔ بیسویں صدی کی اسلامی دنیا کا منظر نامہ یہ تھا کہ الجزائر پر فرانسیسی صلیبی قابض تھے، اسلامی ہند، اور خلیج کی مسلم ریاستیں برطانیہ کی غلامی میں تھیں، لیبیا پر اٹلی کا قبضہ تھا، ملائشیا پر ہالینڈ کا تسلط تھا، جب کہ ماوراء النھر کا علاقہ آرتھوڈوکس صلیبیوں کے ہاتھوں مقبوضہ تھا۔ اس استبدادی دور کے تسلط کے محرکات بھی محض صنعتی وتجارتی نہ تھے بلکہ پس منظر میں اہلِ صلیب کے مذہبی عقائد پوری طرح کارفرما تھے۔ اسلامی ہندوستان پر صلیبی قبضے کے بعد برطانوی

پارلیمنٹ میں یہ آوازیں اٹھائی گئیں کہ قدرت نے ہمیں ہندوستان میں یسوع مسیح کا دین پھیلانے کا موقع دیا ہے۔

ان حملوں کو کلیسائی قیادت کی طرف سے لامحدود معاونت حاصل تھی۔ جن میں سرِ فہرست 'پادری نکولائی پنجم' تھا جو ان جنگوں کی مذہبی حیثیت پر پوری طرح یکسو تھا۔ ارضِ شام پر قبضہ کرنے کے بعد نصرانی جرنیل ایلن بی نے صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر پر تلوار مار کر کہا تھا: ''دیکھو صلاح الدین! ہم دوبارہ آ گئے''۔

استبدادی دور میں صلیب کے پجاریوں نے طاقت کے ساتھ ساتھ تہذیبی و فکری محاذ پر بھی خوب محنت کی، مستشرقین کا گروہ پیدا ہوا جس نے اسلام اور مسلمانوں پر رکیک حملوں کو ''علمیت'' میں ڈھال دیا، مسلم معاشرے کو جدید اور قدیم کی بنیاد پر دو نیم کر دیا گیا۔ اس طرح اہلِ صلیب کو مسلم دنیا میں پہلی بار ایسے لاکھوں غلام میسر آ گئے جو ''بر بنائے دلیل'' غلامی پر مطمئن ہی نہیں خوش تھے۔ (برصغیر میں اس طبقۂ غلاماں کے سرخیل، سر سید احمد خان نے انگریزوں کے جابرانہ اور ظالمانہ تسلط کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی ''رحمت'' قرار دیا، مجاہدین کو ''نمک حرام'' کہا، اور اکابرینِ ملت کی توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا)۔

اکیسویں صدی کی صلیبی جنگ، ایک ہمہ گیر یلغار

۱۹۹۱ء میں کویت پر سے قبضہ چھڑانے کے بہانے عراق پر امریکی حملہ بلاشبہ معاصر صلیبی جنگوں کا نقطہء آغاز تھا۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ گیارہویں صدی میں صلیبی حملہ آوروں کا شعور مکمل طور پر نصرانی تھا لیکن عصرِ حاضر میں نصف نصرانی اور نصف سیکولر ہے۔ اب نصرانیت، سرمایہ دارانہ سیکولر تہذیب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھوم رہی ہے۔ خلیج پر صلیبی حملے کے دوران میں امریکی و اتحادی فوجیں مشرقِ اسلامی میں آ کر مورچہ زن ہو گئیں۔ خطے میں ان کی موجودگی اہلِ صلیب کے لئے اولاً: بھرپور سیاسی و معاشی فوائد کا باعث تھی۔ ثانیاً: اس حملے کی پشت پر صلیبی تعصب برابر کارفرما تھا جس کا اندازہ عراق کے بنیادی ڈھانچے کو تباہ کرنے، وہاں کے مسلمانوں کی نسل کشی اور شمالی عراق میں تبلیغِ نصرانیت کے اقدامات سے بخوبی ہوتا ہے۔ یومِ تفریق (گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء) کے مبارک حملوں کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر امارتِ اسلامیہ افغانستان پر چڑھائی کا اعلان کر دیا۔ افغانستان کے مسلمانوں پر تمام قسم کے گولہ بارود (بشمول کیمیاوی و تابکاری اسلحے) سے وحشیانہ بمباری کرنے میں

ذرا تامل نہیں کیا اور بالآخر ایک ننگِ دین و وطن مرتد کو افغانستان کا حکمران بنا کر مسلط کر دیا۔ امریکہ اس جنگ میں اکیلا نہیں، بلکہ ایک بار پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے، اور الکفر ملة واحدة کے مصداق سارا عالمِ کفر اور مرتد حکمران اس جنگ میں امریکا کے ساتھ ہیں۔ افغانستان کے بعد عراق پر بھی جارحیت مسلّط کر دی گئی۔ پھر اہلِ کفر کے اس عالمی گٹھ جوڑ نے ساری دنیا کی جہادی تحریکوں کو اپنا دشمنِ اوّل قرار دیا۔ بات صرف ''القاعدہ'' کی نہیں، بلکہ فلپین سے شیشان تک تمام جہادی تحریکیں کفر کے نشانے پر ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دشمن کا اصل ہدف کوئی مخصوص گروہ نہیں بلکہ امّت کی رگوں میں دوڑنے والا خون ہے۔ عالمی کفر یہی چاہتا ہے کہ امّتِ مسلمہ بھیڑوں کا گلّہ بن کر رہ جائے، ان کی عزتیں پامال ہوتی رہیں، علاقے چھینے جاتے رہیں، مقدس مقامات اور شعائرِ دین کی بے حرمتی ہوتی رہے، لیکن یہ اف تک نہ کرے، وگرنہ اسے ایک ''دہشت گرد امّت'' گردانا جائے گا جس کو ملیامیٹ کرنا اہلِ کفر کا ''بنیادی حق'' ہے۔ اسلام اور مسلمانوں پر اہلِ مغرب کی [صدیوں سے جاری] صلیبی یلغار ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ صلیبی جنگ اتنی ہمہ جہت ہے کہ دین کا ہر شعبہ اور اس کے خدمت گار اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ بقول ایک صاحبِ نظر کے:

''صلیبی مغرب کی نظر میں وہ مسلمان بھی دہشت گرد ہے یا ان کا ہمدرد ہے جو کسی ریستوران میں جا کر پیپسی کی بجائے لیمن سوڈا طلب کرتا ہے''۔

گیارہ ستمبر سے اب تک کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اسلام اور مسلمانوں سے صلیبی مغرب کی نفرت میں ایک برق رفتار ''ارتقاء'' نظر آ رہا ہے۔ اس رات نشانے پر اگر امیر المومنین ملّا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ اور شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ تھے تو اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی، براہِ راست نصرانی بغض و عناد کی زد میں ہے۔ پہلے اگر ''دہشت گرد'' (مجاہدین) خطرہ تھے تو اب ہر ''انتہا پسند'' (دین دار مسلمان) بھی ایک مسئلہ ہے، گیارہ ستمبر کی رات اہلِ مغرب کا مسئلہ صرف ''جہاد'' تھا لیکن اب انھیں اسکارف بھی ایک ہتھیار نظر آ رہا ہے۔ غرض یہ کہ اب وہ مسلمانوں سے بڑھ کر ان کے ایمان اور طاقت کے سرچشموں پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ فی الجملہ یہ جنگ اسلام اور اسلامی تہذیب کے جملہ مفاہیم کو مسخ کرنے کے لیے برپا کی گئی ہے۔

موجودہ صلیبی ذہنیت کو سمجھنا ضروری ہے!

ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کے لیے باعثِ تعجب ہو کہ ہم نے اس جنگ کو صلیبی یلغار قرار دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں کمزور حافظے کے مالک حضرات ابھی تک اس خیال کی جُگالی میں مصروف ہیں کہ مسئلہ موجودہ امریکی قیادت اور اس پر حاوی نوقدامت پرستوں اور یہودی لابی کا ہے۔ جارج بش ایک کاؤبوائے ہے، نوقدامت پرست یہودیوں کے زیرِ اثر ہیں اور یہودی، مسلمانوں اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں اور بَس۔ ہمارے ہاں کے مغرب زدگان کے نزدیک تو ''مذہبی جنگ'' کا تصور ہی دقیانوسی ہے اور یہ قرونِ وسطٰی میں تو پایا جاسکتا ہے لیکن موجودہ 'متمدّن مغربی اقوام'' کی لغت میں یہ لفظ سرے سے ہے ہی نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغربی دنیا میں مذہبی اور سیکولر دونوں حوالوں سے اسلام پر حملوں کی روایت بہت پرانی ہے۔ کیرن آرمسٹرانگ نے اپنی تصنیف 'مقدس جنگ' میں اعتراف کیا ہے کہ:

> ''صلیبی جنگ اگرچہ صدیوں پرانی بات ہے لیکن مغربی ذہن پر اس کا اتنا گہرا اثر ہے کہ آج بھی اہم بین الاقوامی تنازعات کے سلسلے میں یہی ذہنیت بروئے کار ہے، خاص طور پر مسلم اسرائیل تنازعے کو مغربی ذہن صلیبی عینک سے دیکھتا ہے''۔

ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو اس فکری حماقت میں مبتلا ہیں کہ جارج بش کی زبان سے ''کروسیڈ'' کا لفظ نکلنا ایک اتفاقی امر ہے اور امریکہ کا اصل مسئلہ مسلمانوں کا تیل ہے۔ یہ لاعلمی اور سرسری طرزِ فکر کی انتہا ہے۔ بلاشبہ امریکہ کا مسئلہ مسلمانوں کا تیل بھی ہے لیکن امریکہ کی ہمہ گیر مہمات کو صرف تیل کے تناظر میں دیکھنا ایسی فکری سطحیت ہے جسے کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے نزدیک اس فلسفہ طرازی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ امّت کا دفاع کرنے والے ابنائے امّت کی بیداری میں تاخیر ہورہی ہے جب کہ اس دوران میں کفر تیزی سے اپنے اہداف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مزید کچھ لکھنے سے پیشتر اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ چاہے ہم اس جنگ کو ایک صلیبی اور مذہبی جنگ سمجھتے ہوں یا نہیں، موجودہ حالات میں مسلمانوں پر شرعی فریضہ یہی عائد ہوتا ہے کہ وہ کافروں کی جارحیّت بزورِ قوت روکیں:

﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾

''اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انھیں مارو، کافروں کا بدلہ یہی ہے''۔

جب حملہ آوروں کا ہدف اسلام ہے تو اسے مذہبی جنگ کیوں نہ سمجھا جائے؟

کفّار کے خلاف ہماری جنگ اگر دین کی خاطر اور دینی عوامل کی بنیاد پر لڑی جا رہی ہو تو ظاہر ہے کہ یہ 'دینی جنگ' کہلائے گی۔ اصطلاحِ شریعت میں اس کا نام جہاد ہے جس کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ اس اعتبار سے ہمارے نزدیک اس بات کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہتی کہ ہمارا مدِّ مقابل فریق یہ جنگ دینی بنیاد پر لڑ رہا ہے یا کسی اور بنیاد پر (مثلاً وطنیت، ہوسِ ملک گیری، یا سرمایہ داری نظام کے غلبے کے لئے وغیرہ وغیرہ)۔ یہ ایک ثانوی معاملہ ہے۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ جنگ ہماری شریعت میں ایک 'دینی فریضہ' ہے۔ مثلاً تاتاریوں کے خلاف ہماری دفاعی جنگ 'دینی جنگ' تھی۔ اگرچہ وحشی تاتاری کسی مذہب یا تہذیب کے علم بردار نہیں تھے، ان کا مقصد لوٹ مار اور قتل و غارت گری ہی تھا۔ لیکن ان کے مقابلے میں اپنے جان و مال اور عزّت کا دفاع ہمارا شرعی فریضہ تھا لہٰذا ہم اسے 'دینی جنگ' کا نام دیں گے۔ بنا بریں، اسلام کی نظر میں جنگ ہمیشہ دینی ہی ہوتی ہے اور شریعت ہی اس کی حدود و قیود کا تعین کرتی ہے۔ بعینہٖ اگر ہمارا دشمن بھی دینی بنیاد پر لڑ رہا ہو تو پھر دونوں ہی فریقوں کے اعتبار سے یہ ایک دینی جنگ کہلائے گی چنانچہ ایسی تمام جنگیں جو یہود و نصاریٰ یا بت پرست مشرکین کے خلاف لڑی گئیں اسی ذیل میں آتی ہیں۔ موجودہ جنگ کا ہدف یہی ہے کہ امّت کے ایمان و قوّت کے سرچشموں کو کمزور کر دیا جائے تا کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت، لبرل ازم اور سیکولرزم کو امت پر مسلط کیا جا سکے، اسلام بھی نصرانیت کی طرح سرمایہ دارانہ تہذیب کا تابع مہمل بن کر رہ جائے۔ بلا شبہ اہل مغرب کو 'بدھ مت' کنفیوشس ازم، ہندو مت سے تو خطرہ نہیں، بلکہ اگر کوئی حقیقی خطرہ ہے تو وہ اسلام ہی سے ہے کیونکہ وہ یہ بات جانتے ہیں کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو مغلوبیت کا درس نہیں دیتا، لہٰذا اسلام اور اہلِ صلیب کے درمیان تصادم اور جنگ ناگزیر ہے۔

بعض لوگ عراق پر قبضے کے معاملے میں اہلِ مغرب کے باہمی اختلافات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ان کی نوعیت اساسی نہیں ہے، انھیں زیادہ سے زیادہ حکمتِ عملی یا مفادات کے اختلافات قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ جہاں تک بنیادی اہداف کا تعلق ہے، ان میں اہلِ کفر پوری طرح متحد و متفق ہیں۔ صلیبی یورپ کی بوسنیا کے مقابلے میں سربوں کی پشت پناہی، افغانستان پر قبضے میں نیٹو کی بھرپور شرکت اور عراق پر کفری سلامتی کونسل کی متفقہ قرارداد جس میں عراق پر امریکی قبضے کو قانونی جواز فراہم کیا گیا

تھا،اس سلسلے کی واضح مثالیں ہیں۔یہی معاملہ امریکہ کے داخلی سیاست دانوں کا بھی ہے۔ری پبلکن بش 'مذہبی کروسیڈر' ہے تو ڈیموکریٹ جان کیری 'سیکولر کروسیڈر' تھا۔(دونوں کے بیانات ان کی اسلام دشمنی پر غماز ہیں)۔بش اور برطانوی وزیرِ اعظم ٹونی بلئیر کے بیانات سامنے آ چکے ہیں،جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ جنگ خدا کی ہدایت پر شروع کی ہے۔اور تاریخ ہی ہمارے اس فیصلے کو جانچے گی۔

اس سارے تناظر میں....دوسری جانب مومنینِ صادقین کا ہراول دستہ اس جنگ میں دشمن کے مقابلے میں جہاد کر رہا ہے۔مجاہدین فی سبیل اللہ اور محاربین فی سبیل الطاغوت کے درمیان اس جنگ کی حیثیت 'دینی جنگ' کے سوا اور کیا رہ جاتی ہے؟

گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد امریکی صدر بش نے کانگریس میں ۳۴ منٹوں کی تقریر کی جس میں اسے ۲۹ دفعہ تالیوں کے شور کی وجہ سے اپنی بات روکنا پڑی۔تقریر میں اس نے 'دہشت گردی کے خلاف اعلانِ جنگ' کیا۔اس نے طالبان کی طرف سے نافذ کردہ شرعی احکام مثلاً پردے کی پابندی کرانا،موسیقی اور اختلاطِ مرد و زن کی اجازت نہ دینے وغیرہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔جب کہ اندھا بھی جانتا ہے کہ یہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے احکام ہیں نہ کہ ملاّ عمر کی ذاتی شریعت کے۔پس اسے اسلام کے خلاف جنگ نہ کہیں تو اور کیا کہا جائے؟!

اگر چہ بش نے ایک سے زائد مرتبہ اس جنگ کو صلیبی جنگ قرار دیا ہے اور اس کے بہت سے گماشتے بھی اسلام سے اپنے بغض و عناد کو ظاہر کرتے رہتے ہیں،تاہم ہم اتنے سادہ لوح نہیں کہ محض ان کے بیانات کی وجہ سے اسے صلیبی جنگ قرار دے دیں بلکہ اس جنگ کے صلیبی جنگ ہونے کا دار و مدار تین باتوں پر ہے۔

اوّلاً: اس جنگ میں ہمارا مدمقابل گروہ نصرانی ہے،احادیث میں ان کے لئے ''رومیوں'' کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے۔

ثانیاً:اس جنگ کے بنیادی محرکات میں ان کا دین بھی شامل ہے۔

ثالثاً:پورے عالم میں اور ہر طرف ان کا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں،کفر سے برسرِ جہاد تحریکیں ہیں،شریعت کو غالب کرنے والی اسلامی حکومتیں ہیں: مثلاً؛افغانستان اور صومالیہ وغیرہ۔

اس جنگ میں امریکہ کی قیادت ایک نو قدامت پرست پروٹسٹنٹ نصرانی گروہ کو حاصل ہے۔جن

کے مذہبی عقائد میں عظیم تر اسرائیل کا قیام، مسیح کی آمدِ ثانی کے لیے لازمی ہے۔عوام میں بھی ان کی عظیم اکثریت ہے لہٰذا اس جنگ میں اہلِ مغرب کا کوئی ایک گروہ نہیں بلکہ ان کے مذہبی وسیاسی طبقے بھی یکساں جوش وجذبے سے شریک ہیں۔نصرانی دنیا کے مذہبی رہنماؤں کی قولی وفعلی معاونت اس جنگ کے شرکاء کے ساتھ ظاہر وعیاں ہے، مسلم امّت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس جنگ کے ساتھ اسی بنیاد پر معاملہ کریں چاہے کفار اس جنگ کتنا ہی حسین اور جاذبِ نظر عنوان دے لیں۔مثلاً اقدار کی بحالی کی جنگ، آزادیوں کے تحفظ کی جنگ، دہشت گردی کے خلاف جنگ وغیرہ۔

اصطلاحات کی جنگ

مذہب اور جنگ کا یہ باہمی تعلق امریکی شعور میں جس گہرائی تک پیوست ہے اس کا نمایاں ترین مظہر وہ اصطلاحات ہیں جو اہلِ مغرب اس جنگ کے دوران میں استعمال کررہے ہیں۔اس جنگ کے بارے میں دیگر جتنے بھی الفاظ برتے جارہے ہیں وہ سب صلیبی لٹریچر کا حصّہ ہیں مثلاً بدی سے مقابلہ، عدلِ مطلق، خیر وشر کی جنگ وغیرہ وغیرہ۔ان اصطلاحات میں بدی اور شر کہہ کر مسلمان مراد لیے گئے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ امریکی شعور میں دین عبارت ہے عہد نامہ قدیم (تورات) اور عہد نامۂ جدید (انجیل) سے۔صہیونی یہودیت اور صہیونی مسیحیت کا یہی غلیظ اتحاد ہے جو خلیجی جنگ کے دوران میں کھل کر سامنے آگیا، جب یہ بھی کہا جانے لگا کہ یہ جنگ دراصل ''ہرمجدون'' کی تیاریوں کی ایک کڑی ہے۔ ہرمجدون یا Armageddon نصرانی عقیدے کی رو سے مستقبل میں ایک مقدس جنگ ہے جو ''بت پرستوں'' اور نصرانیوں کے مابین ہوگی۔(واضح رہے کہ نصرانی، کنعانیوں یعنی مسلمانوں کو بت پرست کہتے ہیں)۔''ہرمجدون'' کے تصور کا نصرانی فکر پر اثر بہت گہرا ہے۔اس لیے جب بش نے ''کروسیڈ'' کا لفظ بولا تو نہ وہ عالمِ خواب میں تھا اور نہ اس نے یہ بات بھولے سے کہی تھی بلکہ اس نے امریکی ضمیر میں پنہاں خیالات ہی کو آشکار کیا تھا۔ جہاں تک اُن کے ایسے بیانات کا تعلق ہے کہ اسلام اور دہشت گردی دو علاحدہ علاحدہ چیزیں ہیں، تو وہ فقط مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے جس کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ امّت کے سارے طبقات اس جنگ کے بارے میں انتشارِ فکری کا شکار رہیں اور اکثریت خاموش تماشائی بنی رہے۔دوسرے یہ کہ کفر کے آلہ ءکار، مرتد حکام کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ''

میں اپنی خدمات پوری تندہی سے انجام دینے کا موقع مل سکے۔ عالمِ مغرب بخوبی جانتا ہے کہ اس کی کفری تہذیب کے سامنے اصل چیلنج صرف اسلام ہے اور مجاہدین، اسلام کا حصنِ حصین ہیں۔

حقیقت میں جب امریکی اور اُن کے اتحادی یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ وہ 'اسلام' کے دشمن نہیں تو اس سے مراد 'اعتدال پسند امریکی اسلام' ہوتا ہے نہ کہ اصل دینِ اسلام۔ اس اسلام کو ماڈریٹ اسلام کہا جاتا ہو یا روشن خیال اعتدال پسندی، دراصل یہ دورِ جدید کا دینِ اکبری ہے۔ جس میں امریکی بارگاہ میں کورنش بجا لانا ہی عبودیت کی معراج ہے۔ اسلام میں جو مقام رضائے الٰہی کو حاصل ہے، اس ماڈریٹ مذہب میں وہی مقام (معاذ اللہ) امریکی خوشنودی کو دے دیا گیا ہے۔ یہاں پر امریکی طاقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں بلکہ اس کی بالا دستی کو شرعی لبادہ پہنانا ہی عین کارِ ثواب ہے۔ جب کہ اس کے برعکس جو اسلام توحید اور کفر بالطاغوت کی دعوت دیتا ہے، جو یہودی ریاست کے ناجائز وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے، عالمِ اسلام کے قلب سے یہود و نصاریٰ کے اخراج کی دعوت دیتا ہے۔ آج پورا عالمِ مغرب بہ بانگِ دہل پکار رہا ہے کہ اس اسلام کے ساتھ ہمارا 'تہذیبی تصادم' ہے۔

اصطلاحات کی اسی جنگ کا شکار وہ بیمار اذہان بھی ہیں جن کے "فتوے" امریکی فوج میں شامل "کلمہ گوؤں" کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شرکت پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتے بلکہ انھیں اجر کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔ قطر کے سرکاری مفتی یوسف قرضاوی صاحب کے فتوے پر نظر ڈالیے جو انھوں نے افغانستان میں اسلام کے خلاف برسرِ جنگ "کلمہ گو" امریکی فوجیوں کے "حق" میں دیا:

"...فإ ننانرى ضرورة البحث عن الفاعلين الحقيقين لهذه الجرائم ،وعن المشاركين فيهابالتحريض والتمويل والمساعدة ، و تقديمهم لمحاكمة منصفة تنزل بهم العقاب المناسب الرادع لهم ولأمثالهم من المستهينين بحياة الأبرياء وأموالهم والمروعين لأمنهم...... و هذا كله من واجب المسلمين المشاركة فيه بكل سبل ممكنة ...... والخلاصة أنه لا بأس إن شا ء الله على العسكريين المسلمين من المشاركة في القتال في المعارک المتوقعة ضد من يظنَّ أنهم يمارسون الارهاب أو يؤوون الممارسين له و يتيحون لهم فرص التدريب والإنطلاق من بلادهم ، مع استصحاب النية الصحيحة !! على النحو الذ ى

أوضحناه ، دفعاً لأى شبهة قد تلحق بهم في ولائهم لأوطانهم ...."

''....ہمارے نزدیک ان جرائم (گیارہ ستمبر کے مبارک معرکوں!) کے حقیقی ذمہ داران تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔اور جو افراد بھی ان جرائم کے لیے ابھارنے، اموال فراہم کرنے، اور مدد فراہم کرنے کے لحاظ سے شریک تھے، انھیں انصاف کے کٹہرے میں لا کر معقول سزا دلوانے کی ضرورت ہے۔ایسی سزا جو انھیں اور ان جیسے بے گناہ افراد کی جان و مال سے کھیلنے اور ان کا امن و سکون تباہ کرنے والوں کے لیے عبرت انگیز ہو۔مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عمل میں ہر ممکن طریقے سے شریک ہوں....حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس بات میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں کہ (امریکی فوج میں شامل) مسلمان فوجی ایسے تمام متوقع معرکوں میں شامل ہوں جو ان لوگوں کے خلاف لڑے جائیں گے جو مبیّنہ طور پر خود دہشت گردی کروا رہے ہیں یا ایسے لوگوں کو پناہ دیتے ہیں یا انھیں تربیت دیتے ہیں یا اپنی سرزمین سے کارروائیاں کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔یہ خیال رکھتے ہوئے کہ ان کی نیت وہی ہونی چاہیئے جو (آغاز میں) ہم بیان کر چکے ہیں۔(امریکی فوجیوں کے لئے یہ اس لئے جائز ہے) تا کہ اپنے ملک سے ان کی وفاداری شبہے سے بالاتر رہے...''

مندرجہ بالا فتوے پر ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر محمد العوا، فہمی ہویدی، ڈاکٹر ھیثم الخیاط، اور طارق البشری کے دستخط موجود ہیں۔ ۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو دیئے جانے والے اس فتوے کی اصل عبارت انگریزی ہے۔عرب اخبارات میں یہ افغانستان پر امریکی حملے سے عین ایک دن قبل چھپا۔امریکی محکمہ خارجہ کی طرف سے اس فتوے کا بھرپور خیر مقدم کیا گیا؛

پاسباں مل گئے ''کعبے سے'' صنم خانے کو.......والعیاذ باللّٰہ .

کلیسا اس جنگ میں غیر جانبدار کل تھا نہ آج!

استبدادی دور میں بھی نصرانیت یورپ، امریکہ، مشرقِ بعید غرض ہر جگہ حکومت کے دستِ راست کے طور پر کام کرتی رہی۔اس نے ہر اس جرم کا مذہبی جواز فراہم کیا جس کا ارتکاب یورپی حکمرانوں نے کیا۔ مسلمانوں کو قتل و غارت، لوٹ مار اور سفاکیت کا نشانہ بنانے والے ہر استبدادی لشکر کا مذہبی پیش رو کسی نہ

کسی چرچ کا نمائندہ ہی ہوتا تھا اور بالکل جس طرح ایونجلیکل پادری امریکی فوجوں کی عراق اور افغان کارروائیوں کا جواز پیش کررہے ہیں اسی طرح کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادریوں نے استبدادی مہمات کی پشت پناہی کی۔ (یادرہے کہ ایونجلیکلز امریکا کی بجرنگ دل ہے۔ یہی وہ فرقہ ہے جس کے پادری ان دستوں کی قیادت کرتے تھے جو نہتے سرخ ہندیوں کی بستیوں پرحملہ آور ہوتے تھے۔ جب سرخ ہندی مردوں کے زندہ جسموں سے ان کی کھال اتاری جاتی تھی، جب ان کی عورتوں کو اجتماعی بدکاری کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ جب ان کے بچوں کو آگ میں بھونا جاتا تھا، یہ ایونجلیکل پادری حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] کو بھینٹ دینے کی رسوم منعقد کرتے اور بائبل کی تلاوت کرتے تھے)۔

آج ان ایونجلیکلز کے جانشین عراق اور افغانستان میں اپنے پرکھوں کی تاریخ دہرا رہے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کی صلیبی ذہنیت کی تشکیل کرنے والا کلیسا، جس نے اس وقت بیت المقدس پر قبضہ کرنے کو ''جنت'' میں داخلے کا پروانہ قرار دیا تھا، آج ایک بار پھر مغربی کفر کو یہ باور کرا رہا ہے کہ ''یہ جنگ امریکی اقدار کی فتح کے لیے ہے اور اعلیٰ انسانی اقدار مثلاً حریت، مساوات، ترقی وغیرہ سخت خطرے میں ہیں، لہٰذا اس مقدس جنگ میں خدا اُن کے ساتھ ہے''۔

عالمِ مغرب کی حکومتی پالیسیوں پر کلیسائی تعلیمات کی چھاپ تو ہے ہی، معاشرتی سطح پر بھی اس کا عکس دیکھنا مشکل نہیں۔ خلیج پر ۱۹۹۱ء کے اتحادی صلیبی حملے کے دوران میں برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی آبادیوں میں دیواروں پر لکھا ہوتا تھا کہ ''عراق میں مرنے والے ہر برطانوی فوجی کے بدلے میں ہم دو مسلمان بچے قتل کریں گے''۔ گیارہ ستمبر سے لے کر آج تک، مغرب میں مقیم مسلمانوں کو جو تعصب اور تنگ نظری بھگتنا پڑ رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ تقریباً سارا عالمِ مغرب 'اسلام فوبیا' کا شکار ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ''دہشت گردی'' کے خلاف اس جنگ کو پورے صلیبی مغرب کی غیر مشروط حمایت حاصل ہے۔

صہیونی عیسائیت

ہم جانتے ہیں کہ اسلام کے خلاف یہود کی عداوت شدید ترین ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا.... ﴾ ''یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے''۔

ہمارا پورا تاریخی تسلسل اس بات پر شاہد ہے کہ یہود اسلام کے خلاف بغض وعناد، سازشوں اور مہمات کے سرغنے رہے۔ اپنے خطرناک منصوبوں کے ذریعے شجرِ اسلام کی بیخ کنی میں پیش پیش رہے، درپردہ رہ کر دینِ حق کے خلاف فتنہ پردازیاں کرتے رہے۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ان سازشوں کو عملی جامہ پہنانے میں نصاریٰ کا کردار بہت نمایاں رہا ہے۔ اگر یہود اہلِ ایمان سے سب سے اشدّ عداوت رکھتے ہیں تو نصاریٰ اہل اسلام کے خلاف قتال میں سب سے زیادہ سرگرم رہے ہیں۔

اہلِ کتاب سے ہماری جنگوں کی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ ہماری اکثر جنگیں نصاریٰ کے خلاف تھیں۔ جنگِ خلیج کے دوران میں بعض مورخین کی تحقیق اخبارات میں شائع ہوئی کہ گزشتہ ۱۴۱۰ سالوں میں مسلمانوں اور رومیوں میں ہونے والی جنگوں کی کل تعداد ۳۶۰۰ ہے۔ درحقیقت ایک مختصر مدت کے سوا ہر دور ہی میں ہماری ان سے آویزش رہی ہے جب کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں یہود کے خلاف براہِ راست معرکہ آرائی، دورِ نبوی کے بعد اب جا کر فلسطین میں یہودی قبضے کے بعد ہوئی۔ لیکن نصاریٰ کے ساتھ ہماری جنگ آج تک جاری ہے اور احادیثِ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اور ہمارے مابین یہ جنگیں قیامت تک رہیں گی۔

فلسطین میں صہیونی ریاست کا قیام بھی نصاریٰ ہی کا شاخسانہ ہے۔ شاید اس حقیقت پر غور وخوض کرنے کے نتیجے میں ہم نصرانیوں کے بارے میں اپنا اندازِ فکر ٹھیک کر سکیں، اور یہ جان لیں کہ وہ ہمارے ''مسیحی بھائی''، نہیں جیسا کہ بعض سادہ لوحوں کا گمان ہے، بلکہ ہمارے دشمن نصرانی کفار ہیں۔ جو اپنے عقائد کی بناء پر اپنا اولین دشمن اسلام اور مسلمانوں کو گردانتے ہیں اور تاریخی اعتبار سے ہمیشہ یہود کی خلافِ اسلام سازشوں میں ان کے ساتھی اور آلہء کار بنے رہے ہیں، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَ النَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

یہ لازم ہے کہ یہود سے ہماری نفرت، ان کے حلیف نصرانیوں کے ناپاک کردار پر پردہ نہ ڈال دے۔ صلیبی جنگوں کے اصل سرخیل نصاریٰ ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہمارے دشمن ہیں، اور جنگ آزما بھی۔ اس حقیقت پر ماضی کی تاریخ شاہد ہے۔ صلیبی جنگوں سے لے کر استبدادی دور تک کی تاریخ سب کے سامنے ہے۔ نیز بلقان، عراق، افغانستان، پر ان کی چڑھائی بھی کوئی دور کی بات نہیں۔ عالمِ عرب میں

اسرائیل کا ناسور بھی برطانوی صلیبیوں کی پیداوار تھا جب کہ اس ناجائز وجود کی پرورش کی ذمّہ داری امریکی صلیبیوں نے اٹھائی۔ ان سبھی تک تحریف شدہ مسیحیت ایک یہودی 'پال' کے توسط سے پہنچی۔ اس لحاظ سے مسیحیت میں یہود کی نقب زنی کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اور مسیحیت کی موجودہ مسخ شدہ شکل یہود ہی کی سازشوں کا پختہ ثمر ہے۔ یہ تحریف مسلسل جاری ہے۔ مسیحیت میں یہود کی آخری بڑی نقب زنی کی جڑیں سولہویں صدی میں ملتی ہیں جب پروٹسٹنٹ فرقے کا ظہور ہوا جو عہد نامہء قدیم (تورات) کی تمام پیشین گوئیوں پر یقین رکھتا ہے اور ان کی تکمیل کیلئے کوشاں بھی ہے۔ اس وقت ان کی کوششیں درج ذیل اہم اہداف پر مرتکز ہیں:

١) دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک کے علاقے میں عظیم تر اسرائیل کا قیام اور دنیا بھر کے یہود کو وہاں لا بسانا۔

٢) خیر کی قوتوں (یہود و نصاریٰ) اور شر کی قوتوں (مسلمانوں) کے مابین ایک عظیم جنگ ''ہرمجدون'' برپا کرنا اور اس سے پہلے اس کی تیاری۔

٣) مسجدِ اقصیٰ کا انہدام اور اس کی جگہ یہودی ہیکل کا قیام۔

برطانوی نصرانیوں کے ذریعے یہودی ریاست کا قیام دراصل ہرمجدون ہی کی طرف ایک پیش رفت تھی۔ اس صہیونی صلیبی گٹھ جوڑ کی بازگشت عالمِ مغرب میں صاف سنائی دیتی ہے اور امریکہ نے اسرائیل کو بھرپور مدد دیتے رہنے کا خواہ اس کی جو بھی قیمت ہو، تہیہ کر رکھا ہے اور یہ جنگ اب نظریات وعقائد کی جنگ میں بدل چکی ہے۔ اور اس جنگ کا اصل مرکز مشرقِ اسلامی جب کہ بنیادی مسئلہ القدس ہے۔ جدید صلیبی جنگوں میں یہود اور اہلِ صلیب بنیادی طور پر جس نکتے پر اکٹھے ہیں وہ اہلِ اسلام کی بیخ کنی ہے۔ اُن کا یہ اتحاد نظریاتی، سیاسی اور اقتصادی بنیادوں پر قائم ہوا ہے۔ صہیونی ریاست کے ایک سابق صدر نے کہا تھا کہ اس وقت دنیا کو سب سے بڑا خطرہ اسلامی بنیاد پرستی سے درپیش ہے اور اسرائیل اسلامی بیداری کی تحریکوں کے مقابلے میں عالمِ مغرب کی اقدار کے تحفظ کی جنگ لڑ رہا ہے۔ صلیبی مغرب کے لیے اسلام ایک آسیب بن چکا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی تہذیب اور توسیع پسندانہ استبدادی لائحہء عمل کے راستے میں اصل رکاوٹ بجائے خود دینِ اسلام ہے۔

کرنے کا کام کیا ہے؟

اس پورے منظرنامے کا جائزہ لینے کے بعد، کرنے کا کام کیا ہے؟ کیا محض حالات کی تجزیہ نگاری، اور بس؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس دگرگوں حالت کو تبدیل کرنے کی سعی کرنا ہمارا فرض ہے۔ امّتِ مسلمہ اس وقت اپنی تاریخ کے کڑے دور سے گزر رہی ہے، ہم اس امّت کا حصہ ہیں، ہماری ذمّہ داری بنتی ہے کہ اپنے دین وملت پر اہلِ صلیب کی اس یلغار کا منہ موڑ دیں، اور اپنی امّت کی پیشانی سے ذلت ورسوائی کے داغ دھونے کی خاطر آگے بڑھیں۔ فلسطین سے لے کر افغانستان تک مقبوضہ مسلم علاقوں کو بازیاب کرائیں، امارتِ اسلامیہ کی بحالی اور خلافت کو قائم کرنے کے لیے جہاد کا علم اٹھائیں۔ امّت کے دفاع کے لیے ''خطِ اوّل'' میں کھڑے مجاہدین کی پشتیبانی کریں کہ یہ ہمارے اور ان کے مابین موجود ایمانی رشتے کا اولین تقاضا ہے۔

المختصر قرآن وسنت کو صدقِ دل سے رہنما ماننے والوں کو بھرپور طور پر میدانِ کارزار میں اترنا ہو گا۔ تاہم اس مقابلے کی بھرپور تیاری کرتے ہوئے تین بنیادی نکات مدِّنظر رکھنے ضروری ہیں۔

۱۔ ایک ہوں مسلم ''کفر کو مار بھگانے کے لئے!''

ماضی کے صلیبی حملہ آوروں نے بھی اپنی تاخت وتاراج کا نشانہ عام مسلمانوں کو بنایا تھا۔ انھوں نے مجاہد اور غیر مجاہد میں کوئی تفریق نہیں کی تھی، کہ ایک کو پکڑ کر دوسرے کو چھوڑ دیا ہو۔ اس صلیبی یلغار کی زد سے عزلت نشین زاہدانِ شب زندہ دار بھی نہیں بچ پائے تھے۔ معاصر صلیبی بھی اپنے پیش رووں سے کچھ مختلف نہیں، جیسا کہ ٹائمز میں یہ بات چھپی تھی:

''اعتدال پسندوں اور شدّت پسندوں میں کوئی بڑا فرق نہیں، وہ سبھی مسلمان ہیں''۔ [۱۹۹۲-۶-۱۶]

اس لحاظ سے ان کے لیے سبھی ہدف ہیں، دینی مدارس سے لے کر جہادی تحریکوں تک، سب کفر کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں [ملاحظہ ہو رینڈ کارپوریشن کی دستاویز muslim world after 9/11]۔ یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ عالمی کفری طاقتیں ہر اس چیز کو مٹا دینے کے درپے ہیں جس کے ساتھ 'اسلامی' کا سابقہ ولاحقہ لگتا ہو۔

﴿وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

’’اور یہ(کافر) لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تمھیں تمھارے دین سے مرتد کردیں‘‘۔

اس اعتبار سے، مسلم امت میں دین کے تحفظ اور غلبے کے لیے سرگرمِ عمل تحریکات کو اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کرنا ہوگا۔ ان سب طبقات وتحریکات کا امتحان یہی ہے کہ وہ صلیبی یلغار کے اس ہمہ جہت چیلنج کا کیا جواب دیتے ہیں؟ بلا مبالغہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کے دین ودنیا کو غصب کرنے والے کفار کو بلادِ مسلمین سے باہر دھکیلنا اہم ترین فرضِ عین ہے۔

شیخ عبداللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **الدفاع عن أراضي المسلمين أهم فروض الأعيان** میں رقم طراز ہیں:

’’سلف وخلف، چاروں فقہی مذاہب کے علماء، محدّثین اور مفسّرین، تاریخِ اسلامی کے تمام ادوار میں اس بات پر غیر مشروط طور پر متفق رہے ہیں کہ اگر کفار مسلمانوں کے کسی بھی علاقے میں گھس آئیں تو وہاں بسنے والوں اور ان کے قرب وجوار میں رہنے والوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اولاد والدین کی، بیوی شوہر کی اور مقروض قرض خواہ کی اجازت کے بغیر نکلیں گے۔ اگر دشمن کو پچھاڑنے کے لئے یہ سب لوگ ناکافی ثابت ہوں، یا یہ لوگ کوتاہی کریں، یا سستی سے کام لیں، یا بلا عذر بیٹھے رہیں تو یہ فرضیتِ عین دائرے کی شکل میں اگلے علاقوں تک پھیلتی جائے گی، پہلے سب سے قریب والوں کو اپنی لپیٹ میں لے گی، پھر ان سے قریب والوں کو۔ پھر اگر وہ لوگ بھی ناکافی ہوں یا کوتاہی کریں (اور مزید مجاہدین کی ضرورت برقرار رہے) تو فرضیت کا یہ دائرہ بتدریج آگے پھیلتا جائے گا یہاں تک کہ (ضرورت پڑنے پر) پوری زمین کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا‘‘۔

اس اہم ترین فریضے سے صرفِ نظر کر کے ضمنی اور جزوی کاموں میں مشغولیت غیر دانش مندی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر دین وملت کے غم خوار ہی نہ اٹھے تو اور کون ہے جو کفر کی یلغار کا منہ موڑ سکے؟ چنانچہ ہم طالبانِ علومِ دینیہ سے لے کر دینی تحریکوں کے مخلص کارکنان تک، سب کو انتہائی دِل سوزی کے ساتھ یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسلام اور کفر کی اس کھلی جنگ میں غیر جانبداری ترک کردیں اور ’’ **وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوىٰ** ‘‘ کے حکمِ قرآنی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کم از کم ایک نکتے پر امت کو اکٹھا کریں کہ

'دفع العدوّ الصائل' یعنی غاصب حملہ آور کو بلادِ اسلامیہ سے باہر نکالنا فرضِ عین ہے۔ اگر کسی کو مجاہدین کے بعض امور سے اختلاف بھی ہے تو بھی کم از کم کافرِ اصلی اور عدوِّ صائل کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ہی میدان میں نکل آئیں۔ ہمارے اسلاف کا پورا علمی و فقہی ذخیرہ گواہ ہے اس ایک نکتے پر کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ غاصب حملہ آوروں کو اپنے علاقوں سے نکالنے کے لیے جاری جہاد میں تعاون و اشتراک کی کون کون سی جہتیں ہوسکتی ہیں سرِ دست اس تفصیل کا موقع نہیں تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اس وقت ہم میں سے ہر فرد کو اپنے آپ سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے کہ میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ آیا بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھا رہنا یا پھر اگلی صفوں میں جا کر مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑنا؟

۲۔ عالمی تحریکِ جہاد میں شرکت وتعاون

منہجِ جہاد، روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ الحمد للہ اس وقت دنیائے اسلام کی بہت سی جگہوں پر راست جہادی منہج کی حامل جماعتیں منظّم ہوچکی ہیں۔ اگر چہ مکانی اعتبار سے یہ تحریکات ایک دوسرے سے دور ہیں، لیکن اشتراکِ منہج اور فکری ہم آہنگی کی بنا پر یہ ایک دوسرے سے اس قدر مماثل ہیں کہ اغیار نے ان سب کو ''القاعدہ و طالبان'' کا نام دے رکھا ہے۔ نام کا معاملہ اہم ہے بھی نہیں۔ اللہ کے راستے میں، حق کی نصرت، قتال فی سبیل اللہ کے لئے طواغیت کے اثر سے 'آزاد' ہو کر جو بھی نکلے گا، اسے کوئی بھی نام دے دیا جائے وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا، طائفہءِ منصورہ ہوگا۔ اس 'طائفہ منصورہ' میں فکری وحدت کے ساتھ ساتھ، عملی اور حرکی اعتبار سے بھی قربت پیدا ہو جائے تو معاملہ گویا 'نورٌ علیٰ نور' ہو جائے گا۔ اس ضمن میں عالمی تحریکِ جہاد تو اپنی پوری توجّہ طاغوتِ اکبر کی بربادی کے لیے صرف کر رہی ہے اور کرتی رہے گی ان شاء اللہ۔ تاہم دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مجاہدین، اپنے مقامی حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے 'عالمی کفری اتحاد' کو ہر انداز میں زک پہنچانے کی کوشش کریں۔

۳۔ امّتِ مسلمہ کی بیداری

اسلام اپنے ماننے والوں کو مغلوبیت کا نہیں، غلبے کا درس دیتا ہے۔ اللہ کا دین شریعت کے غلبے

اور کلمۃ اللہ کی سر بلندی کا حکم دیتا ہے، اور ساتھ ہی شرعی امارت وخلافت کے پاسداروں سے یہ تقاضا بھی کرتا ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾

''جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں سے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کی ہیں، اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، (اُن سے لڑو) یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں''۔

چنانچہ اہلِ مغرب پوری طرح ادراک رکھتے ہیں کہ اگر اسلامی بیداری کی لہر یونہی چلتی رہی (اور جہادی تحریک یونہی پروان چڑھتی رہی) تو دنیا کے نقشے پر اسلام کو ایک غالب قوت کے طور پر ابھرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اِن شاء اللہ ایسا ہی ہو گا، بالخصوص جب کہ تہذیبِ مغرب اپنے داخلی فساد کے باعث بھی رو بہ زوال ہے۔ یہی بات آج سے کچھ عرصہ پہلے فرانسیسی وزارتِ خارجہ کے ایک اعلیٰ افسر نے ان الفاظ میں کہی تھی:

''عالمِ اسلام ایک بندھا ہوا دیو ہے جو تا حال اپنے آپ کو پہچان نہیں پایا۔ جس دن یہ دیو اپنی جہالت کی جکڑ بندی سے آزاد ہو گیا اس دن یہ مغربی تہذیب کے لئے ایسا خطرہ ثابت ہو گا جو اس سے دنیا کی قیادت چھین سکتا ہے''۔

عالمِ اسلام کے خلاف تہذیبی، عسکری، سیاسی، اقتصادی محاذوں پر جتنی سازشیں بھی ہو رہی ہیں اُن کی تہہ میں مغرب کا یہی خوف پوشیدہ ہے کہ کہیں یہ امت اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے نہ حاصل کر لے۔ اہلِ مغرب اپنی ان سازشوں کو بڑے دل فریب عنوانات و اصطلاحات سے مزین کرتے ہیں تا کہ عامۃ المسلمین اس دام ہم رنگِ زمین کو نہ دیکھ سکیں۔

اس جہاد کو جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پوری امت مسلمہ کی حمایت اور قوت اس کے لیے مہیا کی جائے۔ بعض اندازوں کے مطابق مسلمانوں کی مجموعی آبادی تقریباً ایک ارب تیس کروڑ ہے اور ۲۲ء فی

صد سالانہ کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں یہ سب سے تیزی سے بڑھنے والی آبادی ہے اور اس میں ۳۰ سال سے کم عمر افراد کی تعداد تقریباً دو تہائی ہے جو کہ دنیا کے دیگر تمام ملکوں میں جوانوں کی مجموعی آبادی کے تناسب سے زیادہ ہے۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں جب کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اجتماعیت برِّعظیم (پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش) میں ہے جہاں ان کی تعداد کم از کم ۵۰ کروڑ ہے۔ چین، روس اور یورپ میں تقریباً ۱۰ کروڑ مسلمان آباد ہیں جن میں سے نصف سے زیادہ آبادی چین میں ہے۔ اتنی بڑی امّت کے اندر سے محض چند ہزار لوگوں کی جہاد میں شرکت، چہ معنی دارد؟ اس معرکے کو جیتنے کے لیے ضروری ہے کہ امتِ مسلمہ کا سوادِ اعظم جہاد کی پشتیبانی کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔

غرض یہ کہ امت کو جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دنیا کی امامت کے لئے بیدار کرنا، دشمنوں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کا توڑ اور شبہات کا ردّ کرنے کے لیے بھرپور دعوتی وابلاغی وسائل کو اختیار کرنا اس ضمن میں کرنے کے اہم کام ہیں۔

اگر ہم جہاد کا علم اٹھالیں، ہماری صفوں میں اتحاد ہو اور امت ہماری پشتی بان ہو...تو یہ صلیبی جنگ، جنگ نہیں رہے گی بلکہ تاریخ ان حوادث کو صلیبی شکست کے نام سے یاد کرے گی۔ ان شاء اللہ

دشمن کے خلاف تیاری (اعداد) کی شرعی اہمیت

قاری عبد الہادی

''اعداد'' یعنی ''جہاد کی تیاری'' کرنا مسلمانوں کے لئے شریعتِ مطہرہ کا ایک مستقل حکم ہے۔ جس طرح جہاد کو قیامت تک جاری رہنا ہے، کسی عادل کا عدل اور کسی ظالم کا ظلم اسے ساقط نہ کر سکے گا، اسی طرح فرضیتِ اعداد کی آیات بھی امتِ مسلمہ کو تا قیامت مخاطب کرتی رہیں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾

''تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت تیار کرو اور گھوڑے تیار رکھو تا کہ تم اس سے اللہ کے دشمنوں کو دہشت زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا ان دوسروں کو بھی جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں خوب جانتا ہے''۔

شریعت کا یہ حکم مسلمانوں کے کسی خاص طبقے یا محض مجاہدین ہی کو مخاطب نہیں کرتا بلکہ علامہ آلوسیؒ کے الفاظ میں:

''وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ خطاب لكافة المؤمنين لما أن المأمور به من وظائف الكل.''

''وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ (یعنی ''ان کفار کے مقابلے کے لئے تیاری کرو'' کی آیت) تمام مسلمانوں سے مخاطب ہے کیونکہ جس کام کا (یہاں) حکم دیا جا رہا ہے وہ ہر ایک کی ذمہ داری ہے''۔
(روح المعانی: شرحِ آیت ۶۰، سورۂ انفال)

اللہ رب العزت کو اپنے مومن بندوں کے لئے یہی امر محبوب ہے کہ وہ عسکری تیاری اور اسلحے سے لمحہ بھر بھی غافل نہ ہوں، حالتِ امن ہو یا حالتِ خوف ہر دم کفار کا سر کچلنے کے لئے تیار رہیں اور اللہ کے باغیوں کو اپنی قوت سے مسلسل دہشت زدہ کرتے رہیں تا کہ وہ اللہ کی زمین پر چھوٹے اور ذلیل بن کر

رہیں اور دینِ حق کے پیروکاروں کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا سوچ بھی نہ سکیں۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

﴿وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ وَ اَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَة﴾

''کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں''۔

عام حالات میں اعداد کا یہ حکم فرضِ کفایہ ہوتا ہے۔ لیکن جب جہاد فرضِ عین، یعنی فرداً فرداً ہر مسلمان پر فرض ہو جائے تو مشہور فقہی قاعدے ''ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب'' (یعنی: ''جس فعل کی ادائیگی پر ایک واجب کے پورے ہونے کا دارومدار ہو تو وہ فعل خود بھی واجب ہو جاتا ہے'') کے مطابق فریضۂ اعداد بھی فرضِ عین کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے(۱)۔ آج کفار دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر حملہ آور اور ان کی زمینوں پر قابض ہیں، مسلمانوں کا دین، جان، مال اور عزت کچھ بھی ان کی دسترس سے محفوظ نہیں، کتنے ہی مسلمان مرد و خواتین کفار کی قید میں ہیں اور ہر وہ خطۂ زمین جہاں کبھی شریعت کی بالادستی تھی آج نظامِ کفر وہاں غالب ہے۔ لہٰذا فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ دفاعی جہاد آج فرضِ عین ہو چکا ہے (۲)۔ اسی لیے جہاد کی تیاری کرنا بھی آج ہر مسلمان، عاقل، بالغ اور شرعاً غیر معذور شخص پر فرضِ عین ہے۔ پس جو شخص نہ جہاد کرے نہ اس کی تیاری کرے وہ دوہرا گناہ کماتا ہے۔ ایک ترکِ جہاد کا گناہ اور دوسرا ترکِ اعداد کا گناہ۔

لہٰذا جو لوگ صدقِ دل سے جہاد کرنے کا عزم رکھتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر جہاد کے پہلے مرحلے، یعنی ''اعداد'' میں داخل ہوں اور حسبِ استطاعت جہاد کی تیاری شروع کریں۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں دین سے محبت کا محض زبانی دعویٰ اور جہاد کرنے کے عزم کا محض زبانی اظہار

---

(۱)۔ قال ابن النحاسؒ: ''واعلم أن تعلم الفروسية و تعليمها وإستعمال الأسلحة فرض كفاية. قال القرطبي في تفسيره: (و قد يتعين) يعني يصير فرض عين. و ذلک عند شدة إحتياج المسلمين إلى ذلک.'' (مشارع الأشواق إلى مصارع العشاق، الباب الحادي و العشرون، تحت الحديث رقم ۸۴۰)

(۲)۔ دیکھئے: کتاب ''الدفاع عن أراضي المسلمين ، أهم فروض الأعيان بعد الإيمان''، از شیخ عبداللہ عزام شہیدؒ۔

مقبول نہیں۔سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴾

''اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو ضرور اس کے لیے کچھ سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ہی ان کا نکلنا پسند نہ کیا سو انہیں روک دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ''۔

امام طبریؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''...فتركهم الإ ستعداد دليل على إرادتهم التخلف.''

''پس ان (منافقین) کا تیاری نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا ارادہ ہی دراصل یہ تھا کہ یہ (جہاد سے) پیچھے رہیں''۔(تفسیرِ طبریؒ: شرحِ آیت ۴۶: سورۂ توبہ)

افسوس کہ وہ اسلحہ اور جنگی ساز و سامان جو ہمارے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبوب تھا، ہمارے لیے آج اجنبی بن گیا۔ وہ ہتھیار جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جسموں سے لحہ بھر جدا نہ ہوتے تھے، ہمیں پوری پوری زندگی ان کا استعمال نصیب نہ ہوا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں کہ:

''بعثت بين يدي الساعة بالسيف وجعل رزقي تحت ظل رمحي''

''مجھے قیامت سے پہلے تلوار دے کر مبعوث کیا گیا ہے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے رکھا گیا ہے''۔(بخاری: ج۱،ص ۴۰۸؛ مسند احمد: ج۲،ص۵۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بھیجا ہی تلوار کے ساتھ گیا ہو لیکن آپ کے امتیوں کا حال یہ ہو کہ زندگی بھر کبھی اسلحہ ہاتھ میں نہ تھاما ہو، کبھی ایک گولی نہ چلائی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رزق تو نیزوں کے سائے میں رکھا گیا ہو اور آپ کے امتی رزق کی تلاش میں دیوانوں کی طرح دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہوں! ایک اور حدیث میں وارد ہوتا ہے کہ:

''ما ترک رسول الله صلى الله عليه و سلم عند موته درهما و لا دينارا ولا عبداولا أمة (ولا شاة و لا بعيرا) ولا شيئا إلا بغلته البيضاء وسلاحه وأرضا جعلها صدقة.''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال کے وقت نہ درہم پیچھے چھوڑے نہ دینار، نہ غلام نہ باندی، (نہ بکری نہ اونٹ)، نہ ہی کوئی اور چیز سوائے اپنے سفید خچر، ہتھیاروں اور ایک زمین کے جسے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلے ہی) وقف فرما چکے تھے''۔ (بخاری: ج ۲،ص ۱۴۱ ؛ نسائی، ج ۲،ص ۱۰۵)

یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کل ترکہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں وفات کے وقت سامانِ دنیا میں سے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ کچھ تھا تو بس وہ اسلحہ جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا اور جو وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا اور جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بطور ترکہ چھوڑ گئے، لیکن افسوس کہ ہم اس میراثِ نبوت کی قدر نہ کر سکے۔ یہ تو وہ میراث ہے جو ہر باپ کو اپنے بیٹے تک منتقل کرنا تھی۔ امام بصاص رحمۃ اللہ علیہ ''احکام القرآن'' میں آیت '' **وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ** '' پر بحث کرتے ہوئے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:

''من حق الولد على الوالد أن يعلمه كتاب اللّٰه و السباحة و الرمي.''

''ایک بیٹے کے باپ پر حقوق میں یہ بات شامل ہے کہ باپ اسے اللہ کی کتاب، پیراکی اور تیر اندازی سکھائے''۔

الغرض ضرورت آج اس امر کی ہے کہ ہم اسلحے سے اسی طرح محبت کریں جیسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے محبوب رکھا، اسلحے کا استعمال سیکھیں، دیگر جنگی فنون میں مہارت حاصل کریں، فریضۂ اعداد کی ادائیگی میں اپنی صلاحیتیں، اوقات اور اموال، سب کھپائیں، اپنے بچوں کو کفار کے مقابلے کے لئے تیار کریں، اسلحے، جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت کی محبت عام کریں۔ کیونکہ دنیا میں عزت سے جینے کی راہ بھی یہی ہے، یہی کلمۃ اللہ کی سربلندی کا ذریعہ ہے اور اللہ کی رضا بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔

اسی فریضۂ اعداد کی ادائیگی میں اپنا حقیر سا حصہ ڈالتے ہوئے ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ شمارے سے ان ہتھیاروں کے مختصر تعارف کا سلسلہ شروع کریں گے جنھیں جاننا آج ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، خواہ اس لئے کہ یہ ہتھیار مجاہدین عموماً استعمال کرتے ہیں، یا اس لیے کہ ہمارے دشمن ان ہتھیاروں کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔

واللّٰه ولي التوفيق و هو يهدي السبيل

أُمنِیّتُ

قاری عبد الہادی

لفظ ’’امنیّت‘‘ ’امن سے ماخوذ ہے۔ کسی بھی چیز کو محفوظ و مامون رکھنا لغوی اعتبار سے امنیت کہلاتا ہے۔ مجاہدین کی اصطلاح میں امنیت سے مراد ہر وہ احتیاطی تدبیر اور پیش بندی ہے جو جہاد سے متعلقہ کاموں، وسائل، جگہوں، پیغامات اور افراد کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھنے کی غرض سے کی جائے۔ امنیت کی یہ قسم ’’دفاعی امنیت‘‘ کہلاتی ہے۔

امنیت کی دوسری قسم ’’اقدامی امنیت‘‘ ہے۔ اس سے مراد وہ تمام تدابیر ہیں جن کے ذریعے دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کر کے اس کے منصوبے قبل از وقت جان لئے جائیں اور یوں نہ صرف اس کے شر سے بچا جا سکے بلکہ اس کے خلاف کوئی غیر متوقع اور مناسب جارحانہ قدم بھی اٹھایا جا سکے۔

امنیت کی اہمیت شریعت کی روشنی میں

اسلام کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ جس دور میں بھی اس کی دعوت اپنے اصل رنگ میں دی گئی، کفار اس پر ہر سمت سے ٹوٹ پڑے۔ اسلام کا وجود ہی دراصل کفر کی بقاء کے لیے خطرہ ہے اور اسی لیے کفر و اسلام کا تصادم ناگزیر ہے۔ کفر اسلام پر حملہ آور ہو یا نہ ہو، اسلام خود کفر و اہلِ کفر کو للکارتا ہے اور دعوت و بیان اور شمشیر و سنان دونوں ہی ذرائع سے اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ اسلام کا پرچم تھام کر کھڑا ہو اور کوئی اس کا دشمن نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا﴾

’’اور اسی طرح ہم مجرموں کو ہر ایک نبی کا دشمن بناتے رہے ہیں، اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے تیرا رب ہی کافی ہے‘‘۔

چنانچہ اسلام جہاں ایک طرف اپنے ماننے والوں کو اعلائے کلمۃ اللہ اور حرمتِ دین کے دفاع کی خاطر سرفروشانہ میدان میں نکل آنے اور فریضۂ جہاد ادا کرنے کا حکم دیتا ہے، وہیں اس فریضے کی ادائیگی میں ہر ممکن احتیاطی تدبیر اختیار کرنے اور استطاعت بھر حفاظتی اقدامات اٹھانے پر بھی ابھارتا ہے تاکہ دشمنانِ دین کو ہماری کسی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کے دین کو نقصان پہنچانے کا موقع نہ مل سکے اور وہ جس سمت سے بھی اسلام پر حملہ آور ہوں، منہ کی کھائیں۔ یہی وہ توازن ہے جسے برقرار رکھنا ضروری ہے۔ نہ تو احتیاط کے نام پر جہاد سے ہاتھ کھینچ لینا یا دعوت کا حقیقی چہرہ چھپا لینا جائز ہے، نہ ہی جہاد کرتے ہوئے امنیت اور احتیاط کا حکمِ شرعی نظر انداز کر دینا درست ہے۔

امنیت۔ قرآن کی روشنی میں

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اہلِ ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے سورۂ نساء میں فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا﴾

''اے ایمان والو! اپنی احتیاط (کی تدبیر) کرلو، پھر گروہ گروہ بن کر نکلو یا اکٹھے ہی نکل جاؤ''۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دینے سے پہلے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جس سے امنیّت کی اہمیت صاف ظاہر ہوتی ہے۔

۲۔ اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ حالتِ جنگ میں صلوٰۃِ خوف پڑھنے والوں کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ﴾

''اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان کرلیں اور اپنے ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں''۔

پھر اللہ تعالیٰ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا سبب بھی بتلاتے ہیں:

﴿وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً﴾

''کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں''۔

پھر اسی آیت کے آخر میں دوبارہ تاکید فرماتے ہیں کہ:

وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ

''اور اپنی احتیاط کیے رہو''۔

۳۔ سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ چند مومن نوجوانوں کی مثال ہمارے سامنے بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جنھیں ایمان لانے کی پاداش میں ہجرت کر کے ایک غار میں پناہ لینا پڑتی ہے۔ یہ اصحابِ کہف اپنے میں سے ایک ساتھی کو بازار سے خریداری کے لیے بھیجتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿... وَ لْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا. اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَ لَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾

''...اور (خریداری کے لئے جانے والے کو چاہیئے کہ) وہ چپکے سے جائے اور کسی ایک کو بھی تمھاری خبر نہ ہونے دے۔ کیونکہ اگر انھوں نے تمھاری خبر پالی تو وہ تمھیں سنگسار کر ڈالیں گے یا تمھیں (جبراً) اپنے دین میں واپس لوٹالیں گے اور پھر تم کبھی فلاح نہ پاسکو گے''۔

اس آیت میں جن دو امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ امنیت کے دو بنیادی ستون ہیں یعنی، خفیہ انداز سے کام کرنا اور معلومات کی گردش کو حتی الامکان محدود رکھنا یہاں تک کہ کسی ایک بھی غیر متعلقہ فرد کو اپنے ارادوں اور سرگرمیوں کی خبر نہ ہونے دینا۔

۴۔ قرآن ہمارے سامنے فرعونِ مصر کے ظلم و جبر کے حالات تفصیلاً بیان کرتا ہے۔ وہ ظالم بادشاہ اہلِ مصر کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ ایسے حالات میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مبارک پیدائش ہوئی تو آپ کی والدہ آپؑ کے حوالے سے شدید فکر مند ہوئیں کہ کہیں فرعونی آپؑ کو بھی شہید نہ کر ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی والدہ کو حکم دیا کہ وہ آپؑ کو ایک تابوت میں بند کر کے پانی میں ڈال دیں۔ پھر قرآن ہمارے سامنے وہ ہدایات رکھتا ہے جو اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپؑ کی بہن کو دیں:

﴿وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾

''موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انؑ کی بہن سے کہا کہ تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ، تو وہ اسے دور دور سے دیکھتی رہیں اور فرعونیوں کو اس کا پتہ بھی نہ چلا''۔

گو کہ اس پورے قصے کا اصل مقصود تو ہمیں اخروی کامیابی کے لئے کچھ ہدایات دینا ہے لیکن ضمناً اس میں ہمارے لئے دفاعی اور اقدامی امنیت، دونوں پہلوؤں سے اہم دروس موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپؑ کی بہن کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"قُصِّيهِ" ۔اس ایک لفظ میں یہ تینوں مفہوم شامل ہیں کہ "اس کے پیچھے پیچھے جاؤ، اس کے بارے میں معلومات جمع کر کے لاؤ اور یہ سب کچھ اس انداز سے کرو کہ کسی کو پتہ نہ چلے"۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ایسا ہی کیا اور غیر محسوس انداز سے اس تابوت کا تعاقب کرتی رہیں اور فرعون اور اس کی افواج کی نگاہوں سے بچتے ہوئے نہ صرف ساری معلومات اکٹھی کرنے میں کامیاب رہیں بلکہ فرعون کے دربار تک پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت گھر واپس پہنچانے کا بندوبست بھی کر آئیں۔ اور یہ سب کچھ اس سلیقے اور رازداری سے کیا کہ کوئی دشمن بھی آپ کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باہمی رشتہ نہ جان سکا۔

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کسی خفیہ کام کی تکمیل کے لئے ہر مرحلے پر رازداری اور کمال ہوشیاری سے کام لینا چاہیے اور کام کی ابتداء سے لے کر بخیریت تکمیل تک، ہر لمحہ پوری احتیاط برقرار رکھنی چاہیے۔

۵۔ پھر اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کے دور کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا﴾

"اور وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جب شہر والے غافل تھے"۔

یہاں بھی قرآن سیرتِ موسویؑ کا یہ پہلو ہمارے سامنے لاتا ہے کہ آپؑ اللہ کے نبی ہونے کے باوجود احتیاطی تدبیر اختیار کرتے ہیں اور بستی میں ایسے وقت داخل ہوتے ہیں جب کسی کی نظر پڑنے کا امکان نہ ہو۔

امنیت، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

۱۔ امام ابنِ کثیرؒ سورۂ یوسف کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں کہ:

"اِسْتَعِيْنُوْا عَلٰى قَضَاءِ الْحَوَائِجِ بِكِتْمَانِهَا..."

"ضروریات کی تکمیل میں انھیں خفیہ رکھنے سے مدد لو..." (تفسیر ابنِ کثیرؒ، شرحِ سورۂ یوسف، آیت:۵)

جب کہ امام قرطبیؒ اسی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

"اِسْتَعِيْنُوْا عَلٰى اِنْجَاحِ حَوَائِجِكُمْ بِالْكِتْمَانِ..."

"اپنی حاجتوں کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے راز داری سے مدد لو...." (تفسیرِ قرطبیؒ: شرحِ سورۂ یوسف، آیت: ۵)

۲۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ابتدائی تین سال خفیہ طور پر دعوت دیتے رہے اور ایمان لانے والے کئی حضرات کو اپنا قبولِ اسلام تک چھپائے رکھنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ اس عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دارِ ارقمؓ میں خفیہ طور پر جمع ہوتے تھے۔ اس گھر کے چناؤ کی وجہ بھی یہ تھی کہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت صرف سولہ (۱۶) سال تھی اور آپؓ کا گھر بھی بنی مخزوم کے محلے میں واقع تھا جو ابوجہل کا محلّہ تھا۔ اس لیے کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ مسلمان آپؓ کے گھر پر جمع ہوتے ہوں گے۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ کے وفد سے عقبہ کی گھاٹی میں جو بیعت لی وہ بھی مکہ والوں سے چھپ کر خفیہ طور پر لی گئی۔ ملاقات کے لئے عقبہ کی گھاٹی کا انتخاب اسی لیے کیا گیا کہ وہ مکہ سے کچھ باہر واقع تھی۔ انصارؓ ایک وفد کی صورت میں اکٹھے وہاں نہیں گئے بلکہ دو دو حضرات تشریف لے جاتے رہے یہاں تک کہ مکہ والوں کی نظروں میں آئے بغیر سب عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہو گئے۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کا پورا واقعہ ہی امنیت کے دروس سے بھرا ہوا ہے۔ امنیّت کے تقریباً تمام ہی پہلو اس ایک واقعے میں موجود ہیں۔ ہر مجاہد کو چاہیے کہ وہ اپنے ہر جہادی عمل کو سرانجام دیتے ہوئے اس اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے رکھے:

قیام گاہ پر احتیاط

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا کر نکلے تا کہ کفار یہی سمجھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر ہی ہیں۔

ملاقات میں راز داری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر دو پہر کو قیلولے کے وقت گئے کیونکہ اس وقت لوگ عموماً اپنے گھروں ہی میں ہوتے تھے۔

شناخت سے بچاؤ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چہرہ ڈھانپ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تا کہ اگر اتفاقاً کسی سے سامنا ہو بھی جائے تو وہ پہچان نہ پائے۔

محفوظ رستے کا چناؤ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلتے وقت آپ دونوں حضرات مرکزی دروازے سے نہیں نکلے کہ کہیں نگرانی نہ ہو رہی ہو۔

سفر میں احتیاط

آپ دونوں حضرات سیدھے غارِ ثور کی طرف گئے تا کہ اگر مدینہ کے رستے پر کفار کا پہرہ ہو تو اس سے بچ جائیں۔ یاد رہے کہ غارِ ثور مدینہ کی سمت سے بالکل ہٹ کر ہے۔

پیغام رسانی اور استخبارات کا نظام

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو غارِ ثور جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے دن کی اہم خبریں اور حالات سنا آتے اور صبح کی روشنی سے پہلے پہلے آپؓ واپس مکہ آجاتے تا کہ آپ کا آنا جانا اہلِ مکہ سے پوشیدہ رہے۔

سامان کی ترسیل

آپ دونوں حضرات کے لیے کھانے کا بندوبست حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کرتی رہیں۔

سراغ مٹانے کا کام

حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ جب غار سے چلے جاتے تو آپؓ کے چرواہے حضرت عامر بن فہیرہؓ آپ کے قدموں کے نشان مٹا دیتے۔

خفیہ ٹھکانوں سے حرکت نہ کرنا

آپ حضرات تین دن تک اسی غار میں رکے رہے تا کہ آپ کو تلاش کرنے کی مہم سرد پڑ جائے پھر نکلیں۔

درست تعارف سے اجتناب

دورانِ سفر بھی آپ حضرات نے ''توریہ'' کرتے ہوئے اپنی شخصیتوں کو چھپایا۔ چنانچہ جب راستے

میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا: ''یہ رہبر ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں''۔ سننے والا یہ سمجھا کہ شاید یہ سفر کے رہبر ہیں جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دل میں اس بات سے یہ مراد لی کہ یہ مجھے راہِ ہدایت دکھانے والے رہبر ہیں۔ اسی کو ''توریہ'' کہا جاتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہنا جو ذُو معنی ہو، سننے والا شخص اس کے ظاہری معنی سمجھے جب کہ آپ اس سے دل میں ایک بعید تر معنی مراد لیں۔

علماء نے بالاتفاق جہاد میں ''توریہ'' کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ جہاں تک صریح جھوٹ کا معاملہ ہے تو صاحبِ ردّ المختار لکھتے ہیں:

''وا علم أن الكذب قد يباح و قد يجب، و الضابط فيه كما في تبيين المحارم و غيره عن الأحياء أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليها بالكذب والصدق جميعا فالكذب فيه حرام، و إن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلک المقصود ، و واجب إن وجب تحصيله، كما لو رأى معصوماً اختفىٰ من ظالم يريد قتله أو إيذاء ه فالكذب هنا واجب، و كذا لو سأله عن وديعة يريد أخذها يجب إنكارها، و مهما كان لا يتم مقصود حرب أو إصلاح ذات البين أو استمالة قلب المجنى عليه إلا بالكذب فيباح، و لو سأله سلطان عن فاحشة وقعت منه سرا كزنا أو شرب فله أن يقول ما فعلته، لأن إظهارها فاحشة أخرىٰ، و له أيضاً أن ينكر سر أخيه، و ينبغي أن يقابل مفسدة الكذب بالمفسدة المترتبة على الصدق، فإن كانت مفسدة الصدق أشد فله الكذب، و إن العكس أو شک حرم...''

''اور جان لو کہ جھوٹ بولنا کبھی مباح بھی ہوسکتا ہے اور کبھی واجب بھی، اور اس کا ضابطہ وہی ہے جو تبیین المحارم وغیرہ نے احیاء سے نقل کیا ہے کہ ہر وہ قابلِ ستائش مقصد جسے سچ بول کر بھی حاصل کرنا ممکن ہو اور جھوٹ بول کر بھی تو اس کی خاطر جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اور اگر اس مقصد کا حصول محض جھوٹ ہی کے ذریعے ممکن ہو تو (اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:) اگر تو اس مقصد کو

حاصل کرنا مباح ہوتو (اس کی خاطر) جھوٹ بولنا بھی مباح ہو جاتا ہے اور اگر اس کا حصول واجب ہوتو (اس کی خاطر) جھوٹ بولنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔مثلاً اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ ایک معصوم فرد کسی ظالم سے چھپ رہا ہے جو اسے قتل کرنے یا ایذاء پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہاں (اس شخص کو بچانے کے لئے) جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر (وہ ظالم) اس سے کسی امانت کے بارے میں پوچھے جسے وہ زبردستی چھیننا چاہ رہا ہوتو یہاں بھی (جھوٹ بول کر) انکار کر دینا واجب ہے۔اور جہاں کہیں بھی ہدفِ جنگ کا حصول یا باہمی صلح یا کسی مظلوم فرد کی تالیفِ قلب جھوٹ بولے بغیر ممکن نہ ہوتو وہاں جھوٹ بولنا مباح ہو جاتا ہے۔اور اگر بادشاہ کسی شخص سے ایسے فحش فعل کے بارے میں سوال کرے جو اس سے تنہائی میں سرزد ہوا ہو، مثلاً زنا یا شراب نوشی وغیرہ تو اس کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ میں نے ایسا فعل نہیں کیا، کیونکہ اس فحش فعل کا اظہار ایک اور فحش فعل ہے۔اسی طرح اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ (جھوٹ بول کر) اپنے بھائی کا کوئی راز دینے سے انکار کرے۔پس اس فرد کو چاہیئے کہ یہ جھوٹ بولنے کے مفاسد اور سچ بولنے سے پیدا ہونے والے مفاسد کا موازنہ کرے، چنانچہ اگر (کسی موقع پر) سچ بولنے سے زیادہ بڑے مفاسد پیدا ہوتے ہوں تو اس کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے یا اس شخص کو شک ہے (کہ کس بات میں زیادہ مفاسد ہیں) تو (یہاں) جھوٹ بولنا حرام ہو جائے گا....'' ۔(ردّالمختار: جزء۲۷، صفحہ۱۱۳)

لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی مدنظر رہنا ضروری ہے کہ بیشتر علمائے احناف کے نزدیک جھوٹ کی حرمت کی شدت کے پیشِ نظر ان سب مقامات پر جب تک ''توریہ'' سے مقصد حاصل ہوتا ہو صریح جھوٹ بولنا جائز نہیں ۔مبسوط، ردّ المختار اور درِّ مختار وغیرہ میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ تمام احادیث جن میں حالتِ جنگ میں دشمن سے جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہاں جھوٹ سے مراد صریح جھوٹ نہیں، بلکہ ''توریہ'' ہے۔اسی لیے حاشیۂ ردالمختار میں درج ہے:

" حيث أمكن احياء الحق بالتعريض ،وهو أن يريد المتكلم خلاف المتبادر من كلامه، كان أولىٰ من الكذب الصريح ." (حاشية رد المختار: جزء ۳، صفحه ۸۲)

''جہاں بھی اپنے (غصب شدہ) حق کو توریہ کے ذریعے حاصل کرنا ممکن ہو، یعنی ایسی بات

(کے ذریعے) جس سے بات کرنے والا شخص اس کے ظاہری معنوں کے برخلاف کوئی مفہوم لے رہا ہو، تو وہاں صریح جھوٹ کی بجائے توریہ کرنا ہی بہتر ہوگا''۔

نیز اس مسئلے میں یہ اصول بھی مدِنظر رہنا چاہیئے کہ ''الضرورات تقدّر بقدرها''، یعنی جو فعل ناگزیر ضرورت کے لئے جائز قرار دیا گیا ہو اسے بقدرِ ضرورت ہی کیا جائے گا۔ چنانچہ ضرورت کے وقت حتیٰ الامکان توریہ ہی سے کام لینا چاہیے۔ البتہ جہاں صریح جھوٹ بولے بغیر کوئی چارہ نہ ہو وہاں بقدرِ ضرورت جھوٹ بول لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، تاہم وعدہ خلافی یا عہد شکنی کسی حال بھی جائز نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

۵۔ امام بخاریؒ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً اِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا.''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بھی کسی کے خلاف جنگ کا ارادہ فرماتے تو (اپنے اصحابؓ کو اصل ہدف بتانے کی بجائے) توریہ فرماتے''۔(بخاري: كتاب الجهاد والسير: باب من أراد غزوة فورّى بغيرها...)

جب کہ ابوداودؒ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ملتا ہے کہ:

''وَ كَانَ يَقُوْلُ: اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ.''

''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ: ''جنگ تو دھوکہ ہے''۔(أبو داود: كتاب الجهاد: باب المكر في الحرب)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں رازوں کی حفاظت، دشمن سے معلومات کو چھپانا اور اپنے کام کو محفوظ رکھنا اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی خاطر دشمن کو دھوکہ دینا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ بلکہ حدیث کے الفاظ تو یہ بتلا رہے ہیں کہ جنگ تو دراصل نام ہی دھوکہ دہی اور چال بازی کا ہے۔ صاحبِ ''اعلاء السنن'' اس حدیث کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں کہ:

''قال ثعلبؒ: بلغنا أنه لغة النبى صلى الله عليه و سلم وفيه التحريض على أخذ الحذر في الحرب، و الندب إلى خداع الكفار، وأن من لم يتيقظ لذلک لم يأمن أن ينعكس الأمر عليه، قال النوويؒ: واتفقوا على جواز خداع الكفار في

الحرب كيفما أمكن ، إلا أن يكون فيه نقض عهد أو أمان فلا يجوز.''

''ثعلبؒ فرماتے ہیں: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ یہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے اور اس میں جنگ کے دوران میں (اپنے) بچاؤ کی تدبیر اختیار کرنے پر ابھارا گیا ہے اور (اس سے) کفار کو دھوکہ دینے کا مندوب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، اور (اس سے) یہ بھی (پتہ چلتا ہے) کہ جو کوئی بھی اس معاملے میں ہوشیاری کا ثبوت نہ دے وہ اس بات سے محفوظ نہیں کہ جنگ کا پانسہ اسی کے خلاف پلٹ جائے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کفار کو جنگ میں ہر ممکن طریقے سے دھوکہ دینا جائز ہے، الا یہ کہ دھوکہ دینے میں معاہدہ شکنی یا امان شکنی شامل ہو، تو ایسے میں دھوکہ دینا جائز نہ ہوگا''۔ (اعلاء السنن: كتاب السير: باب الحرب خدعة وجواز الكذب في الحرب ما لم يكن غدراً أو نقض أمان)

نیز درج بالا حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رازوں کی حفاظت صرف دشمنوں ہی سے نہیں، اپنوں سے بھی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ راز ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی زبانوں ہی سے پھسل کر دشمنوں تک پہنچتے ہیں۔

۶۔ غزوۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دشمن کی جاسوسی کے لیے اور حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کفار کے لشکر میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے بھیجنا اور اسی طرح کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا پورا واقعہ، اقدامی امنیّت کی بہترین مثالیں ہیں۔

۷۔ اقدامی امنیت ہی کی ایک مثال سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ مہاجر صحابہؓ کو حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی قیادت میں بھیجا لیکن بھیجتے وقت انھیں مہم کا مقصد نہ بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ایک رقعہ لکھ کر دیا اور یہ حکم فرمایا کہ اس رقعے کو دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد کھولنا۔ دو دن کے سفر کے بعد جب آپؓ نے وہ رقعہ کھولا تو اس میں یہ حکم پایا کہ قریش کے قافلے کا ترصّد کر کے اس کی خبر لائی جائے۔ اس مہم میں بھی ہمارے لیے متعدد اسباق موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ سریہ بنیادی طور پر ایک جاسوسی مہم ہی پر بھیجا گیا تھا جس سے اقدامی امنیّت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ نیز اس مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب صحابہؓ سے بھی سریے کے مقصد اور

ہدف کو پوشیدہ رکھا جس سے جہاد میں بوقتِ ضرورت اپنے کام میں شریک ساتھیوں سے بھی راز چھپانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

قتال میں جاسوسی کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ "بـــــاب **فضل الطليعة**"، یعنی "جاسوسی کی فضیلت کا باب" کے نام سے صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں مستقل ابواب موجود ہیں۔

امنیت، سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت تو دفاعی و اقدامی امنیّت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے مگر اس جگہ اختصار سے کام لیتے ہوئے چند واقعات کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور کئی دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے پہرہ دینا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کا مسجد میں حفاظتی کمرے بنوانا اور دورانِ نماز حفاظت کی غرض سے پہرے دار کھڑے کرنا۔

۳۔ بدر کے معرکے سے عین قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا کر دشمن کی تعداد، اس کی نقل وحرکت اور پڑاؤ کی جگہ وغیرہ کی خبر لانا۔

۴۔ ایک جنگ کے موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بنفسِ نفیس جا کر دشمن کی جاسوسی کرنا۔

۵۔ فلسطین پر حملے کے وقت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امیرِ لشکر ہوتے ہوئے اپنے آپ کو امیرِ لشکر کا سفیر ظاہر کرنا اور اسی بھیس میں دشمن کے قلعے میں جا کر بذاتِ خود حالات کا معائنہ کرنا۔

خلاصۂ کلام:

قرآن وسنت اور سیرتِ صحابہؓ کے درج بالا دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی ادائیگی میں "امنیّت" کے تقاضوں کو پورا کرنا اور ہر ممکن احتیاطی تدبیر اختیار کرنا نہ صرف شرعاً ثابت

بلکہ بعض حالات میں تو واجب ہو جاتا ہے اور اس میں کوتاہی کرنے والا عند اللہ جواب دہ ٹھہرتا ہے۔
"خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ" اللہ تعالیٰ کا حکم اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے بنیادی دستور العمل ہے۔ جو مجاہد یا گروہِ مجاہدین اس حکمِ خداوندی کو نظر انداز کرے گا وہ دشمن کے لیے آسان شکار ثابت ہو گا۔ مومن کی سادگی، بھول پن اور نرمی دوسرے مومنین ہی کے لیے خاص ہوتی ہے۔ کفار کے مقابلے میں اس سے زیادہ صاحبِ بصیرت وفراست اور کوئی نہیں ہوتا۔ مومن کی فراست کی گواہی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے:

"اِتَّقُوۡا فِرَاسَةَ الۡمُؤۡمِنِ فَاِنَّهُ يَنۡظُرُ بِنُوۡرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ"

"مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے"۔ (**ترمذي: باب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه و سلم**)

مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عقائد الاسلام" میں نقل کرتے ہیں کہ: "ایک اعرابی کا گزر کسی عیسائی سلطنت پر ہوا تو وہاں کے امیر نے اس اعرابی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا کہ تمھارا امیر کیسا ہے؟ اعرابی نے جواب دیا:

"**أميرنا لا يَخدع ولا يُخدع**"

"ہمارا امیر نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھاتا ہے"۔

چنانچہ یہ مومن کی ایمانی بصیرت ہی کا تقاضا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں اپنا دفاع اتنا مضبوط رکھے کہ کسی دشمنِ دین کو اس پر ہاتھ ڈالنے کی طمع نہ ہو سکے۔

کیا اسلام میں خفیہ سرگرمیاں جائز نہیں؟

درج بالا دلائلِ قرآن وسنت سے ان حضرات کا دعویٰ بھی باطل ٹھہرتا ہے جن کا کہنا ہے کہ اسلام تو سرے سے خفیہ سرگرمیوں کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ یہ بات عموماً انھی لوگوں سے سننے میں آتی ہے جو اس طاغوتی نظام کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے بنائے ہوئے باطل آئین وقانون کی پابندی میں رہ کر دین کا کام کرنے کے قائل ہیں۔ ایسے لوگ اگر اپنی جدوجہد میں مخلص بھی ہوں تب بھی وہ کفر کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں کیونکہ وہ نظامِ کفر سے باغی نہیں بلکہ لاشعوراً اس کی تقویت کا باعث بنتے ہیں کیونکہ وہ

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اس طاغوتی نظام کا تابع فرمان ''مفید شہری'' بنانے کا کام کرتے ہیں ۔کفر تو ان اہلِ حق سے لرزاں ہے جو کفر کو کفر کہہ کر پکارتے ہیں، اس کی بالادستی تسلیم کرنے سے انکاری ہیں اور اسے ہر ہر محاذ پر للکارتے ہیں۔

خفیہ سرگرمیوں کی مخالفت کرنے والے حضرات کا یہ قول خود اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے کبھی سنجیدگی سے جہاد کرنے کا سوچا تک نہیں۔ جو شخص ایک دن بھی ارضِ جہاد میں گزار لے وہ بلا دلائل خود ہی یہ بات سمجھ جاتا ہے کہ جہاد اور اخفاء و رازداری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کفر جس کا بھی دشمن ہوگا اسے اپنی حفاظت کے لئے ایسے اقدامات اٹھانے ہی پڑیں گے۔ اپنا ہر ہر کام بہت عرصے تک کھلے اور علانیہ انداز سے کرتے رہنا تو اسی کے لئے ممکن ہو پاتا ہے جس سے اللہ کے دشمنوں کو کوئی خطرہ نہ محسوس ہوتا ہو۔

ان میں سے بعض حضرات یہ اشکال بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم خفیہ انداز سے کام کریں تو اسلام کی دعوت چھپ جائے گی اور حق کے اعلان کا فریضہ پھر کیسے ادا ہو پائے گا؟ دراصل یہ شبہہ اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ خفیہ انداز سے کام کرنے اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ اسلام کی دعوت کا چھپنا ہوگا، حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ دعوت کو علانیہ پیش کرنے کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ ہم دشمن کے سامنے اپنے تمام تر منصوبے، عسکری اعمال، افراد و وسائل، خوبیاں اور کمزوریاں، اور سب راز ہی کھول کر رکھ دیں۔ دعوت ٹھیک ٹھیک پہنچاتے ہوئے بھی ان سب چیزوں کو خفیہ رکھنا ممکن ہے۔

نیز اس شبہے کی ایک وجہ یہ غلط فہمی بھی ہے کہ شاید ہم ہر حال میں ہر بات خفیہ رکھنے کے داعی ہیں۔ ہم تو صرف یہ بات کہتے ہیں کہ اسلام حسبِ ضرورت اخفاء و رازداری سے کام لینے پر ابھارتا ہے، بالخصوص عسکری امور میں تو اصل کامیابی ہی اپنے رازوں کی حفاظت ہے۔ لیکن اگر کہیں دین کی مصلحت ہی کا تقاضا ہو کہ کوئی کام علانیہ کیا جائے تو ایسا کرنے میں بھی ہمیں کوئی باک نہیں ہوتا۔ ہم تو ان عقلوں پر ماتم کرتے ہیں جو تمام شرعی دلائل اور دینی مصالح سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو نظر انداز کرتے ہوئے نہ صرف اپنے لیے خفیہ سرگرمیوں کو مطلقاً ناجائز قرار دے لیتے ہیں، بلکہ اس معاملے میں اس حد تک غلو کا شکار ہو چکے ہیں کہ ان کے نزدیک کسی دوسرے کا بھی کسی ''خفیہ سرگرمی میں ملوث ہونا'' ایک جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس غلو کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے افراد اور مجموعوں کی ہر سرگرمی، ہر مواصلاتی رابطہ، ہر مشورہ، ہر آمد و رفت،

تمام تر برقی پیغام رسانی دشمن کی نگاہوں میں رہتی ہے اور نتیجتاً اسلام اور کفر کی موجودہ عالمگیر جنگ میں یہ لوگ کوئی ایسا کام نہیں کر پاتے جس سے کفر کو گزند پہنچے یا مجاہدین کی نصرت ہو سکے۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

امیر المومنین ملّا محمد عمر مہاجر مجاہدین کے نام اپنے خط میں فرماتے ھیں.......

ہم تمھیں دشمنانِ دین کے حوالے نہیں کریں گے

''مطمئن رہو! اگر افغانستان کا ہر درخت اور ہر پتھر جلا ڈالا گیا، تو بھی ہم تمھیں دشمنانِ دین کے حوالے نہیں کریں گے''۔

....

امیر الجہاد شیخ اسامہ بن محمد بن لادن فرماتے ھیں.......

راز داری سے کام لو....

''اس (دشمن) پر حملہ کرو تو ایسی کاری ضرب لگاؤ جو اسے دوبارہ اٹھنے کے قابل نہ چھوڑے اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملحوظ رکھو: **اِسْتَعِيْنُوْا عَلٰی قَضَاءِ حَوَائِجِكُمْ بِالْكِتْمَانِ.** (مجمع الزوائد) ''اپنے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے راز داری سے کام لو''۔

پس کوئی مجاہد بھی کسی ایسی کارروائی میں تانک جھانک اور دخل اندازی نہ کرے جس سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اپنے علَم بلند کیے پیش قدمی کرتے چلو اور بزدلی کا مظاہرہ مت کرو، ورنہ تم دوسروں کی بزدلی کا بھی باعث بنو گے۔ ڈٹے رہو! جمے رہو! استقامت دکھاؤ! صبر سے کام لو! بے شک فتح کی منزل صبر کرنے والوں سے قریب تر ہوتی ہے''۔

ربِّ عظیم کی قسم

''میں اس ربِّ عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں، وہ ذات جس نے آسمان کو بلاستون بلند کیا، کہ امریکہ اور اس میں رہنے والے کبھی خواب میں بھی امن کا تصور نہیں کر سکیں گے جب تک کہ اقصیٰ کی سرزمین میں مسلمانوں کو حقیقی امن میسر نہیں آجاتا اور جب تک کافروں کا ایک ایک فوجی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جزیرے سے بھاگ نہیں جاتا!''

تمھارا خون ہمارا خون ہے!

''ہمارے فلسطینی بھائیو! میں تمھیں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ یقیناً تمھارے بیٹوں کا خون ہمارے بیٹوں کا خون ہے......اور تمھارا خون ہمارا خون ہے۔ پس خون کا بدلہ خون اور تباہی کا بدلہ تباہی سے لیا جائے گا! ہم اپنے ربِّ عظیم کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم تمھیں تنہا نہ چھوڑیں گے...... یہاں تک کہ فتح کا دن آ جائے یا ہم بھی وہی کچھ نہ چکھ لیں جو حمزہؓ ابن عبدالمطلب نے چکھا تھا!''

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾

جو شخص بھی حق کی دعوت لے کر اٹھے گا، اس سے ضرور دشمنی کی جائے گی! لیکن اگر کفار کے مددگار اور اللہ کی شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنے والے کسی شخص سے دشمنی نہیں کر رہے......تو یقیناً ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج اور طریقے پر گامزن نہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسولوں کے منہج کے مطابق آپ بات کریں تو آپ سے دشمنی نہ کی جائے، اللہ کے دشمن تو اہلِ حق سے تبھی راضی ہوتے ہیں جب وہ مداہنت و مصالحت کرنے پر تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ ''یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں''۔

اگر آپ یہ چاہیں کہ ان ظالموں کے ساتھ آپ کی قربتیں بھی برقرار رہیں اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی ذاتی عبادات بھی جاری رہیں، جو ان کے باطل طور طریقوں سے نہ ٹکرائیں، پھر تو یہ واقعتاً آپ کو نہیں چھیڑیں گے۔ البتہ اگر آپ کی خواہش یہ ہو کہ دین سارے کا سارا اللہ کے لئے خالص ہو جائے، تو اس کا واحد راستہ ہجرت اور جہاد ہی ہے......

....

شیخ ایمن الظواھری فرماتے ھیں...

یقیناً تاریخ یہ بات لکھے گی....

مجھے تاریخِ انسانی سے کوئی ایک ایسی مثال لا کر دکھا دو کہ کسی قوم نے ہزاروں قربانیاں دیے بغیر

اور بلا مشقت ہی آزادی حاصل کر لی ہو؟ اپنی بڑائی قائم کرنے کے خواہشمند طاغوتوں کا قرب حاصل کرنے اور ان سے ''مذاکرات'' اور ''مکالمے'' کے ذریعے بھیک مانگنے سے بھی کبھی حریت اور آزادی حاصل ہوئی ہے؟ تمھاری اور مجاہدین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھر میں کچھ بھائی رہتے ہوں اور گھر پر کوئی ڈاکو حملہ کر کے قبضہ کر لے، ان کی عورتوں کی عزتیں پامال کرے، ان کا مال ومتاع لوٹے اور انھیں اپنا غلام بنا لے۔ اتنے میں ایک بھائی کھڑا ہو کر ڈاکو کے منہ پر تھپڑ رسید کرے اور باقی بھائیوں کو مزاحمت پر ابھارے، تو بھائی ڈاکو کی صفائیاں پیش کرنا شروع کر دیں، اپنے مجاہد بھائی کو گالیاں دیں اور خوب برا بھلا کہیں۔ یقیناً تاریخ یہ بات لکھے گی کہ جب مجاہدین کے ہراول دستے اسلام کے بدترین مجرموں سے ٹکرانے اٹھے اور ان کی قربانیوں نے امتِ مسلمہ میں کفر سے مقابلے کا نیا جذبہ بیدار کیا، تو تم نے پیچھے سے ان کی ٹانگ کھینچی اور تم ہی خدائی کے دعوے دار کافروں اور خائن حکمرانوں کے دفاع میں وفادار کتے کی طرح ہانپتے کانپتے ان کی چوکیداری کرتے رہے۔

جہاد ترک کر کے تم نے امت کے کتنے زخم دھوئے ہیں؟

تم کہتے ہو کہ جہاد کا نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہے۔ کیا خلافت ٹوٹنے، فلسطین ہاتھ سے نکلنے، اسلامی ممالک پر مرتد حکمرانوں کے مسلط ہونے اور عراق وافغانستان پر صلیبی افواج کے قبضے سے بڑھ کر بھی کوئی نقصان ممکن ہے؟ اب کون سا نقصان ہے جو اس نقصان سے بھی بڑھ کر ہو گا؟ کون سے فوائد ہیں جو اس کے بعد بھی تمھارے پیشِ نظر ہیں؟ جہاد کو ترک کر کے تم نے امت کے کتنے زخم دھو دیے ہیں؟ اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے......انبیاء علیھم السلام کے بعد افضل ترین مخلوق ہونے کے باوجود......اپنی جانیں اس دین کو پھیلانے کے لئے نچھاور کر ڈالیں، تو کیا ہم امت پر ٹوٹتی مصیبتوں کے اس زمانے میں اپنی زندگیاں قربان کرنے میں بخل کریں؟ دفاع کے اس موقع پر اپنی جانیں بچا بچا کر رکھیں؟

خطاب شیخ ابوعمر الحسینی البغدادی

أمیر المؤمنین دولة العراق الإسلامیه

تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾

''اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیکوکار بندے ہی زمین پر میرے وارث ہوں گے''۔

اے امّتِ اسلام! اے میری محبوب امت!

تیرے فرزندوں نے یہ عزم کیا تھا کہ وہ اسلام کی حکومت قائم کر کے دم لیں گے، ایک ایسی حکومت جہاں شریعت کی حاکمیت ہو، جہاں قوانینِ اسلام کی اطاعت کی جائے اور جہاں اسلام کے لشکر جمع ہوں۔ پس اس امارت کے قیام لیے انھوں نے اپنا مال بھی لٹایا اور اپنا خون بھی بہایا، اپنی ہر خواہش سے ہاتھ کھینچا، ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں، موت کو تلاش کرتے ہوئے ہر وادی میں جا پہنچے اور فتح یا شہادت کا ہدف دل میں بسائے آگے بڑھتے چلے گئے۔چنانچہ انھی سب قربانیوں کے نتیجے میں آج یہ مبارک قدم اٹھانا ممکن ہو پایا ہے، سنتِ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے عراق میں اسلامی امارت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔اللہ کے فضل سے اسلام کی اس عمارت نے قوت و سربلندی حاصل کرنا شروع کر دی ہے جس کا اعتراف خیر خواہوں اور بدخواہوں سب ہی کو ہے۔اس مبارک اقدام پر تو دشمنِ خدا بش سے بھی خاموش نہ رہا گیا اور اس نے کہا کہ: ''یہ لوگ چین سے لے کر اسپین تک اسلامی حکومت

قائم کرنا چاہتے ہیں‘‘۔اور بلا شبہ اس نے سچ کہا، حالانکہ وہ نہایت جھوٹا شخص ہے۔

میں اللہ رب العزت کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنی سپاہ کو یہ مبارک قدم اٹھانے کی توفیق دی، جس کا سب سے پہلا پھل تیرہ (۱۳) سے زیادہ جہادی جماعتوں کے ایک پرچم تلے متحد ہونے کی صورت میں ملا۔ اس خوشخبری کے اعلان کی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے درجنوں دیگر جہادی مجموعے اور ہمارے ہزاروں مجاہد بھائی لبیک لبیک کر بیعت کرنے لگے۔ ان بھائیوں کا تعلق مختلف جہادی مجموعوں سے تھا، مثلاً جیش المجاہدین، الجیش الاسلامی، ثورۃ العشرین اور انصار السنۃ وغیرہ۔ امارتِ اسلامیہ پہلے فلوجہ، الکرمہ، عامریہ، رمادی، غربیہ، طارمیہ، صینیہ، تکریت، سامرہ، بعقوبہ اور العظیم کے علاقوں میں قائم ہوئی۔ پھر اس نے موصل، تلعفر اور کرکوک کا انتظام سنبھالا اور پھر ہمارے پیارے شہر بغداد میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ ان مبارک اقدامات کا زبردست نتیجہ یہ نکلا کہ سرزمینِ دجلہ و فرات کے تقریباً ۷۰ فی صد سنی قبائل کے شیوخ بلا تاخیر اس پاکیزہ اتحاد میں شامل ہو گئے اور انھوں نے اس بات پر بیعت کر لی کہ وہ امارتِ اسلامیہ اور اہلِ اسلام کے ساتھ وفادار رہیں گے۔ لہٰذا میں مندرجہ ذیل قبائل کے شیوخ کا تہہ دل سے شکر گزار اور قدر مند ہوں:

الدليم، جبور، العبيد، زوبع، قيس، عزة، طي، الجنابيين، اللحياليين، المشاهدة، الدايمية، بني زيد، المجمع، بني شمر، عنزه، الصميدع، النعيم، خزرج، بني لهيب، البو حيات، بني حمدان، السعدون، الغانم، الساعدة، المعاضيد ، الكرابله، السلمان اور الكبيسات.

میں اس امر پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ امارت کے بہت سے علاقوں میں خود وہاں کے باشندوں کے پرزور مطالبے پر شریعت عملاً نافذ ہو گئی ہے۔ چنانچہ ہم نے ان علاقوں میں باہمی جھگڑوں اور تنازعات کے خاتمے کے لئے قاضی مقرر کر دیئے ہیں اور الحمد للہ ہم ایسے تنازعات کو بھی بحسن و خوبی حل کرنے میں کامیاب رہے ہیں جو گزشتہ کئی دہائیوں سے جاری تھے اور کتنی ہی قیمتی جانیں جن کی نذر ہو چکی تھیں۔ یوں الحمد للہ اس نوخیز ریاست کے بہت سے خطّوں میں حدود اللہ کا نفاذ شروع ہو گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

’’لحد يقام في الأرض خير من أن يمطروا سبعين صباحاً‘‘

’’زمین پر ایک حد کا قائم ہونا اس سے بہتر ہے کہ لوگوں پر ۷۰ دن بارش برسے‘‘۔

اور حدود کا یہ نفاذ ہمارے بھائیوں کے اپنے پر زور مطالبے پر ہو رہا ہے۔ اہلِ عراق حدود اللہ کے قیام کے کس قدر خواہاں ہیں، اس کا اندازہ تو اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عراق جیسے ملک میں ایک شخص اپنی سگی بیٹی کو لے کر آیا جو زنا کے نتیجے میں حاملہ ہو چکی تھی اور خود مطالبہ کیا کہ اس پر حد قائم کرو۔ اسی طرح ایک اور شخص نے خود آ کر اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کیا۔ چنانچہ اس شخص پر نمازِ جمعہ کے بعد ایک بڑے مجمعے کی موجودگی میں حد نافذ کی گئی۔ اس پورے مجمعے نے تکبیر کے زوردار نعرے بلند کئے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی حد قائم ہوتی دیکھ رہے تھے۔ مزید برآں مؤثر تعزیری سزاؤں کے نفاذ کے ذریعے بہت سے علاقوں میں مفسدین کا سر کچل دیا گیا۔ پھر ہم نے زکوٰۃ، فے اور صدقات وغیرہ کی وصولی کیلئے ذمہ داران مقرر کرنا شروع کئے اور یہ کام بھی الحمدللہ امارتِ اسلامیہ کے بیشتر حصوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو تاکہ تم انہیں پاک وصاف کر سکو''۔

ان ساری تفصیلات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس دعوے میں کوئی حقیقت نہیں کہ مجاہدین نے امارت کے قیام کا اعلان تو کر دیا ہے لیکن عملاً وہ کسی قوت وشوکت کے حامل نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی سربلند ہے، اور بلاشبہ مجاہدین عراق کے بہت سے علاقوں میں اتنا غلبہ رکھتے ہیں کہ انھی کا حکم وہاں نافذ ہو۔ اس بات کا اعتراف تو خود دشمن نے بھی کیا ہے کہ ''القاعدہ نے صوبہ الانبار پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کی مقبولیت دن بدن بڑھ رہی ہے''۔ اور یہ تو صرف القاعدہ کی کامیابیاں ہیں جو کہ بہت سے جہادی مجموعوں میں سے ایک مجموعہ ہے، دیگر مجاہدین کی کامیابیاں تو اس کے علاوہ ہیں۔ مثلاً نینوا، صلاح الدین اور دیالٰی میں ہماری صورتِ حال اس سے بھی بہتر ہے۔ جہاں تک بغداد کا تعلق ہے تو قریب وبعید بسنے والے سب جانتے ہیں کہ امارتِ اسلامیہ کے فرزند ہی اسلام کی حقیقی سپاہ ہیں۔ بس چند عارضی اسباب کی وجہ سے، جن کی تفصیل بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں، ہم بغداد کا انتظام مکمل طور پر سنبھالنے سے رکے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی قوت وقدرت سے جلد ہی ان اسباب کو بھی دور فرما دیں گے۔

اللہ گواہ ہے کہ میں نے مسلمانوں کی امارت قبول کرنے سے بار بار انکار کیا۔ میری سب سے بڑی تمنا ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ میں بس عام مسلمانوں کی طرح اللہ کا ایک سپاہی بن کر رہوں، اللہ سے کفر کرنے والوں کے خلاف قتال کروں اور کرتا رہوں یہاں تک کہ تنہا ایک اللہ کی عبادت کی جانے لگے۔ میں کبھی

بھی مجاہدین کی کسی جماعت کا امیر نہیں رہا، لیکن اس موقع پر تمام بھائی یہ بھاری ذمہ داری مجھے سونپنے پر متفق ہو گئے اور میری معذرت سننے سے ہی انکار کر دیا اور یہ گمان کر لیا کہ میرے اندر کوئی بھلائی ہے۔ چنانچہ میں مجبوراً یہ ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ان کے اس گمان سے بھی بہتر بنا دے۔

اب میں نے اس بات کا تہیہ کیا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں سے مشاورت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔اسی تناظر میں ہم نے ایک وسیع مجلس شوریٰ قائم کی ہے جس میں امارت میں شامل ہونے والی ہر جماعت کے تین نمائندے لیے گئے ہیں اس بات سے قطع نظر کہ اس جماعت کی افرادی قوت اور کارروائیوں کی تعداد کیا ہے۔ اسی طرح ہر بڑے قبیلے کا ایک نمائندہ اور مختلف شعبوں کے ماہرین و متخصصین کی ایک معقول تعداد بھی اس مجلس شوریٰ میں شامل ہے۔ اسی طرح فوری نوعیت کے اہم معاملات نمٹانے کے لیے پانچ افراد پر مشتمل ایک مجلس عاملہ بھی بنائی گئی ہے۔اور ہم اللہ ہی سے صحیح راہ پر چلنے اور درست فیصلے کرنے کی توفیق طلب کرتے ہیں۔آمین!

اے امّتِ اسلام!

پہلے ہمیں قوم پرستی کی کند چھری سے ذبح کیا گیا، پھر ہمیں علاقائی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا، پھر قبائلی دعووں نے ہم میں تفریق ڈالی اور یوں ان جاہلی عصبیتوں نے ہمارا خون تک چوس لیا۔

اے امتِ اسلام!

آج ہمیں ٹسوے بہانے اور کھوکھلے نعرے لگانے والوں کی ضرورت نہیں، ہمیں تو قربانیوں کی ضرورت ہے۔ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو" نکلو اللہ کی راہ میں خواہ ہلکے ہو یا بوجھل" کی ندائے ربانی سن کر اپنے نرم و گداز بستروں سے اٹھ کھڑے ہوں اور بزدلی و کاہلی کو خیر باد کہہ کر جہاد کی اس تحریک کا حصہ بن جائیں اور ان کا ظاہر و باطن ایک سا ہو۔ چنانچہ ابتداءً ہم سابق عراقی فوج کے لیفٹیننٹ سے جنرل تک سب کو امارتِ اسلامیہ کی فوج میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں، بشرطیکہ وہ قرآنِ کریم کے کم از کم تین پارے حفظ کر چکے ہوں، نیز اپنے اپنے علاقوں میں مقرر کردہ لجنہ شرعیہ کو عقیدے کا امتحان دے کر اس میں بھی کامیاب ہو جائیں تا کہ یہ بات واضح ہو سکے کہ یہ لوگ بعث پارٹی اور اس کے طاغوت سے کلیۃً بری ہو چکے ہیں۔ پھر یہ ہماری ذمہ داری ہو گی کہ ہم انھیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے امارتِ اسلامیہ

کے جھنڈے تلے جمع ہونے والے دیگر مجاہدین کی طرح ذرائع آمدورفت، رہائش اور ایک باعزت زندگی گزارنے کے لئے مناسب تنخواہ فراہم کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴾

''ایمان لانے والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفر کرنے والے طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کی چال بہت کم زور ہے''۔

اے امّتِ اسلام! اے میری محبوب امت!

طاغوتِ اکبر امریکہ دلدل میں دھنسا چلا جا رہا اور اب راہِ فرار کی تلاش میں ہے۔ آج وہ بوکھلا کر ہر سمت میں دوڑ رہا ہے اور ہر ایک سے مذاکرات کے لئے تیار ہے، کہیں براہِ راست مذاکرات کے لئے کوشاں ہے تو کہیں اپنے آلۂ کاروں کے ذریعے مذاکرات کرنا چاہ رہا ہے۔ چنانچہ امریکہ جزیرۃ العرب کی سرزمین پر مسلط طاغوت، خاندانِ آلِ سلول (آلِ سعود) کے ذریعے ہم سے بھی مذاکرات شروع کرنا چاہ رہا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ''چونکہ ہم تمھارے سوا سب متعلقہ فریقوں سے مذاکرات کر چکے ہیں لہٰذا اب تم سے مذاکرات کی باری ہے''۔

ہم ان طاغوتوں کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم کبھی بھی ان لوگوں سے مذاکرات نہیں کر سکتے جن کے ہاتھ ہمارے بچوں کے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں، جنھوں نے ہماری ماؤں کو آنسوؤں سے رلایا ہے اور جن کے ناپاک قدموں نے ہماری زمینوں کو روندا ہے۔ الٹا ہم آج تمھارے لیے کچھ احکامات کا اعلان کرتے ہیں، انھیں کان کھول کر سن لو اور شرافت سے چھوٹے بن کر ان کی اطاعت کر لو پیشتر اس کے کہ تمھیں حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے:

ہم تمھیں حکم دیتے ہیں کہ تم بلا تاخیر اپنی فوجیں عراق سے نکال لو، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ:

۱۔ پسپا ہونے والی افواج نقل وحمل کے لئے استعمال ہونے والی گاڑیوں اور مسافر بردار جہازوں پر سوار ہو کر یہاں سے نکلیں۔ (نہ کہ جنگی گاڑیوں یا جنگی جہازوں پر سوار ہو کر)

۲۔ فوجی اپنے ہمراہ صرف اپنے ذاتی ہتھیار رکھیں۔

۳۔ کوئی بھاری ہتھیار اور بڑا ساز وسامان ساتھ نہ لے جایا جائے۔

۴۔تمام فوجی اڈے مجاہدینِ امارتِ اسلامیہ کے حوالے کر کے جایا جائے۔
۵۔فوجوں کے انخلاء میں ایک ماہ سے زائد عرصہ نہ لگے۔

اگر تم اس پیش کش کو قبول کر لو تو ہم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ تمھارے انخلاء کے دوران میں کوئی بھی تم پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ یہ اعلان نشر ہونے کے دو ہفتے بعد تک تمھارے پاس جواب دینے کا موقع ہے۔

اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جن سے تم خفیہ طور پر مذاکرات جاری رکھے ہوئے ہو، تو اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ مجاہدین کا سوادِ اعظم وہی ہیں اور مزاحمت انھی کے سر پر ہو رہی ہے، تو ان سے کہو کہ وہ محض ایک ماہ کے لئے کسی ایک صوبے میں عسکری کارروائیاں رکوا کر دکھا دیں۔ نتائج خود ہی حقیقت واضح کر دیں گے۔ اے احمقو! ایسا کر کے دیکھ لو، تم خود ہی جان جاؤ گے کہ تم اپنے ہی جیسے بزدل کذّابوں سے مذاکرات میں مشغول ہو۔

اے بش!

اگر تُو نے عراق سے باعزت نکلنے کا یہ تاریخی موقع ضائع کر دیا تو تُو وہی غلطی دہرائے گا جو تُو نے اس سے پہلے شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کی طرف سے کی گئی جنگ بندی کی پیش کش ٹھکرا کر کی تھی۔ میں تجھے خبردار کرتا ہوں کہ کہیں تُو پھر اپنی مشہور و معروف حماقت کے سبب معصوم اور مسکین عورتوں، بچوں کے قتلِ عام کا کوئی نیا سلسلہ شروع کر دے۔ خبردار جو تُو نے اس آتش فشاں کو مزید بھڑکایا! اسی میں تیری نجات اور فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ٥ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ٥ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ٥ وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ٥ وَ فِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ٥ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ ٥ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ٥ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ٥ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ٥﴾

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا؟ (عاد) ارم جو اونچے ستونوں والے تھے۔ جن کے مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔ اور ثمود کے ساتھ جو وادی میں چٹانیں تراشتے تھے۔ اور فرعون میخوں والے کے ساتھ۔ وہ جنھوں نے

شہروں میں سرکشی کی اوران میں بہت زیادہ فساد پھیلایا۔تب آپ کے رب نے ان پرعذاب کا کوڑا برسایا۔بےشک آپ کا رب (مجرموں) کی گھات میں ہے''۔

اے امّتِ جہاد!

آج کل ہم اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل والے دنوں میں ہیں۔ان دنوں میں کئے گئے نیک اعمال کا اجر عام دنوں کی نسبت کہیں زیادہ ہوتا ہے۔جیسا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

'' مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامُ يَعْنِى أَيَّامَ الْعَشَرِ...'' (صحيح بخاري)

''کوئی دن ایسے نہیں کہ جن میں کیا جانے والا نیک کام، اللہ عزوجل کے ہاں ان دنوں یعنی عشرہء ذوالحجہ (میں کیے جانے والے نیک کام) سے بڑھ کر محبوب ہو''۔

یہ ہمارے رب کی طرف سے بخشش کے دن ہیں پس اس بخشش کی طرف لپکو۔رب کی جنتوں کے دروازے کھل گئے ہیں، پس ان میں داخل ہونے میں دیر نہ کرو۔ہمیں تو اپنے ہتھیاروں کے بارود سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس خوشبو کی مہک سے محروم رہ جاؤ۔مجاہدین نے عزت کے تاج سروں پر سجا رکھے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس شرف میں کوئی حصہ نہ پا سکو۔ہم ان مبارک دنوں میں ''غزوة الشدة على جند الصليب والردّة'' (یعنی صلیبی ومرتد افواج پر ایک شدید حملہ) کے نام سے ایک نئی مہم کا اعلان کرتے ہیں۔اس مہم کا اختتام عیدِ اضحیٰ کے آخری دنوں کے ساتھ ہی ہو جائے گا۔ پس نیکیاں کمانے کا یہ موقع جانے نہ پائے، اٹھو! جنگ کے لئے اکٹھے ہو! دشمن کو اپنی قوت دکھاؤ! سب متحد ہو کر رہو کیونکہ اتحاد ہی میں ہماری فتح کا راز پوشیدہ ہے۔اپنے امراء کی تقرری میں اختلافات کم سے کم کرو۔اور کوشش کرو کہ ہر مجاہد کا نصب العین بس یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہو کہ:

﴿فَقَاتِلْ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلاً﴾

''پس تم اللہ کی راہ میں لڑو۔تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لیے ذمہ دار نہیں ہو۔البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لیے ابھارو۔بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے۔اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تمھیں بھولنے نہ پائے کہ:

﴿اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا وَّ یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَ لَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡئًا ﴾

''اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تمھیں دردناک عذاب دے گا اور تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا''۔

اللہ کی طرف سے عنقریب اترنے والی اس نصرت پر خوشیاں مناؤ جس کا آنا یقینی ہے، کیونکہ اللہ کا وعدہ تو بلاشبہ سچا ہے۔ پس اللہ واحد واحد، جبار وقوی پر توکل کرو:

﴿وَ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمۡرِہٖ﴾

''اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کے لئے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے''۔

اور اپنے پروردگار کے یہ الفاظ یاد کرو کہ:

﴿ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَ ھُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ وَ عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّ ھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَ عَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾

''تم پر قتال فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمھارے لئے ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لئے بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

اور اپنے ان بھائیوں کو یاد رکھو جو اس راہ میں کٹ مرنے میں تم پر سبقت لے گئے:

﴿ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیۡہِ فَمِنۡھُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ وَ مِنۡھُمۡ مَّنۡ یَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِیۡلًا ﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی تو اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ اور انھوں نے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی''۔

﴿وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِہٖ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾

''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں''۔

آپ کا بھائی، ابوعمر الحسینی القرشی البغدادی، ۲ذی الحج ۱۴۲۷ ھجری

میں اپنے بیٹے کو حوروں کے حجلۂ عروسی میں بھیج رہی ہوں

مصر کے نوجوان شہید ''خالد اسلامبولی'' کی والدہ کی ایمان افروز تحریر

خالد میرا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ وہ ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوا۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں اس سے بڑی تھیں۔ اُن کے والد نے ان سب کو نماز، سچائی اور امانت داری کی تعلیم دی تھی۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ خالد بڑا دیندار، بااخلاق اور اپنے والدین کا انتہائی مطیع اور فرماں بردار بچہ بنا۔ وہ بچپن ہی سے بڑا صابر، مضبوط ارادے کا مالک اور صاحبِ عزیمت تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ بڑا ہو کر فوجی افسر بنے اور پھر یہودیوں کے ساتھ جنگ لڑے۔ الحمد للہ وہ ۱۹۷۸ء میں اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا اور کیڈٹ کالج سے فراغت کے بعد توپ خانے کا فوجی افسر بن گیا۔ اسی اثناء میں خالد کا بھائی محمد، مصر کی ایک اسلامی جماعت سے متاثر ہو گیا جس کا خالد پر بھی بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس نے یہ جان لیا کہ دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ جہاد، قربانی اور ایک بڑی ذمہ داری کا نبھانا بھی دین کا تقاضا ہے۔

ہماری آزمائش کے دن ۳ ستمبر ۱۹۸۱ء سے شروع ہوئے، جب میرا بیٹا محمد شوقی گرفتار کر لیا گیا۔ تب خالد میرے پاس ہی تھا اور مجھے آزمائش کی ان گھڑیوں میں بڑا دلاسہ دیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا ''امی جان صبر کریں، صبر بڑی عزیمت کی بات ہے''۔ پھر تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو اسٹیج والا واقعہ رونما ہوا اور ہمیں اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے سے پتہ چلا کہ خالد نے مصری صدر 'انور سادات' کو قتل کر دیا ہے۔ پھر اس کا ہم سے رابطہ منقطع ہو گیا اور ہمیں بالکل علم نہ ہو سکا کہ خالد زندہ بھی ہے یا نہیں یہاں تک کہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۱ء کو، جب اس کے مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی تو ہم نے اسے ٹی وی اسکرین پر دیکھا۔ اس واقعے کے بعد تو ہم پر لگاتار مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو میرے شوہر احمد شوقی کو گرفتار کر کے خفیہ والوں کے دفتر اور بعد میں قاہرہ کی ابوزعل جیل میں قید کر دیا گیا اور میرے داماد ممدوح کو بھی استخبارات والے پکڑ کے لے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارے گھرانے کے تمام مرد قید کر لئے گئے۔ میں، میری بیٹیاں اور اُن کے بچے تنہا رہ گئے۔ اس موقع پر ہم یہی کہا کرتے تھے **حسبنا الله و نعم الوکیل**، ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

معاملہ صرف یہیں تک محدود نہیں رہا، بلکہ وہ ہر اس شخص کو گرفتار کر لیتے تھے جو کبھی ہمارا حال پوچھنے کی کوشش کرتا یا کسی طرح ہماری کوئی مدد کرنا چاہتا۔ہم آزمائش کے ان دنوں میں کثرت سے بے تاب ہو کر ''یا ربّ'' پکارا کرتے تھے۔ میری نواسی 'عُروہ' نے جب انھی دنوں بولنا سیکھا تو سب سے پہلا لفظ جو اس کے منہ سے نکلا وہ یہی مبارک لفظ تھا 'یا ربّ، یا ربّ'۔

مجھے یاد ہے کہ جب خالد بیٹے سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو وہ اس کے مقدمے کی سماعت کی دوسری تاریخ تھی۔ میں جب ہال میں داخل ہوئی تو سیدھی خالد اور اس کے ساتھیوں کی طرف گئی جو عدالت کے کٹہرے میں تھے۔ میں نے اُن سے ملتے ہی یہ آیت تلاوت کی' **وجوہ یومئذ ناضرۃ اِلی ربھا ناظرۃ** 'اس روز کچھ چہرے خوب روشن ہوں گے، وہ اپنے ربّ کو دیکھ رہے ہوں گے'۔ خالد نے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دہرایا جو آپؐ نے عمار بن یاسرؓ کے خاندان کو تعذیب میں دیکھ کر فرمایا تھا ''**صبرًا یا آل یاسر، فاِن موعدکم الجنۃ**''۔اے آلِ یاسر صبر کرو، تم سے جس جگہ کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ جنت ہے'۔ حسنِ اتفاق دیکھیے کہ خالد کی کنیت بھی ابو یاسر ہی تھی!

اللہ جانتا ہے کہ وہ لمحات اور وہ دن میری زندگی کے سخت ترین دن تھے۔ اس لیے میں ہمیشہ اللہ سے صبر واستقامت کی دعا کیا کرتی تھی اور یہ یقین رکھتی تھی کہ میری ہر مصیبت کا اجر اللہ کے یہاں محفوظ ہے۔ میں ان دنوں جیل میں بند اپنے تمام بیٹوں کے لیے خصوصی دعا کرتی تھی (صرف اپنے دو بیٹوں ہی کے لیے نہیں کیوں کہ اس مقدمے کے تمام قیدی میرے ہی بیٹے تھے۔) میں دعا کیا کرتی تھی ''اے اللہ تو خود اپنی رحمت سے ان کی نگہبانی فرما اور ان کی مصیبتیں ان پر ہلکی فرما''۔ خالد کی گرفتاری کے دنوں میں مجھے پانچ جیلوں میں ملاقات کے لیے جانا پڑتا تھا۔ خالد کا بھائی محمد ''طرہ'' کی جیل میں، میرا بڑا داماد حامد ''قلعے کی جیل'' میں، چھوٹا داماد ''لیمان'' جیل میں اور خالد کے ابو ''ابوزعل'' جیل میں بند تھے۔ میں جب خالد سے ملنے ''سجنِ حربی'' جاتی تو اسے انتہائی بلند حوصلہ پاتی۔ وہ ہمیشہ مسکراتا رہتا تھا۔ ایک بار بڑے جذبات میں آکر کہنے لگا: ''میں نے فرعونِ مصر، یہودی انور کو قتل کیا ہے کیوں کہ وہ اللہ کا انکاری ہو گیا تھا۔ اس نے شریعت کے احکام کی پیروی چھوڑ کر مسلمانوں کے خلاف یہودیوں سے معاہدہ کیا، اس نے یرغمال بنائی گئی مسجدِ اقصیٰ سے خیانت کی، مسلمانوں کو جیلوں میں بند کر رکھا، ان کے علماء کو گالیاں دیں اور انھیں پاگل اور کتے کے القاب دیئے''۔ خالد کہہ رہا تھا ''میرا یہی عمل ہے جس کے ذریعے میں نے اللہ کے دین کی

پیروی کی ہے، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے شہید بندوں میں شامل فرمائے''۔
اپنے مقدمے کی روداد سناتے ہوئے کہنے لگا: ''جب جج نے مجھ سے پوچھا کہ تم پر انور سادات کے قتل کا الزام ہے؟'' تو میں نے فوراً کہا: ''ہاں میں نے ہی اس سگِ آزاد کو قتل کیا ہے، میں نے ہی فرعونِ مصر کو مارا ہے''۔

۸ مارچ ۱۹۸۲ء کو پھانسی کی سزا سنائے جانے کے بعد اس سے ملاقات ہوئی تو اسے پھانسی کی سزا پانے والے مجرموں کا سرخ لباس پہنا دیا گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر دور ہی سے پکار کر بولا: ''امّی جان میرا نیا جوڑا کیسا لگ رہا ہے''؟ میں نے جواب دیا: ''ہمیشہ ہی نیا پہنو، سعادت کی زندگی جیو اور شہادت کی موت پاؤ''۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ شہید ہی رخصت ہوا، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

انھوں نے ہم سے پھانسی کی تاریخ خفیہ رکھی تھی۔ حالانکہ ۸ مارچ ہی کو تاریخ کا تعین بھی ہو گیا تھا۔ میں اس روز محمد سے ملاقات کرنے ''طرہ'' جیل جا رہی تھی کہ اچانک خالد سے ملاقات کو دل مچلنے لگا۔ نہ جانے کس احساس نے مجھے بیٹی کو یہ کہنے پر ابھارا کہ وہ اپنے بھائی محمد اور شوہر حامد سے ملاقات کے لیے چلی جائے، میں تو خالد سے ملنے جا رہی ہوں۔ یہ کہہ کر میں جلدی سے ادھر کو چل پڑی۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ آج کچھ ہونے والا ہے۔ جیسے ہی جیل پر میری نظر پڑی مجھے افسردگی نے آلیا، حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں جیل میں داخل ہوئی تو دروازے پر ہی ایک وکیل کی آواز میرے کانوں میں پڑی، وہ پکار رہا تھا۔ ''امّ خالد مبارک ہو، امّ خالد مبارک......آواز کان میں پڑتے ہی مجھے یوں لگا کہ میری روح بھی آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہو۔ میں نے دل ہی دل میں دہرایا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

سامنے ہی مجھے فوجی افسروں کا ایک دستہ نظر آیا۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور خالد کی گھڑی اور اس کا آخری رقعہ مجھے تھما دیا، خالد نے لکھا تھا: ''محترم والد صاحب! امی جان! بھائی جان اور میری بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں اپنے ربّ کے پاس جا رہا ہوں...'' میں نے ان افسروں کو مخاطب کر کے کہا مسلمانوں کے خون سے لتھڑے ہاتھ لے کر تم اپنے ربّ کے پاس کیا منہ لے کر جاؤ گے؟ پھر میں نے ان سے خالد کی لاش مانگی تو انھوں نے کہا: ''امِ خالد ہمیں مزید کسی بات کا علم نہیں اور نہ ہی ہم آپ کو کچھ بتا سکتے ہیں''۔ میں جیل سے نکل کر جی ایچ کیو چلی گئی اور وہاں کے ذمہ داران سے بات کرنا چاہی لیکن نے ملنے سے انکار کر دیا۔ بعض فوجی افسروں نے کہا: ''ام خالد ہم معذرت خواہ ہیں، لیکن ہمیں اوپر سے یہی

احکام ملے ہیں''۔ میں نے انھیں کہا: ''زندہ خالد سے تو تم ڈرتے تھے، لیکن کیا اس مردہ خالد سے بھی ڈرتے ہو؟'' انھوں نے خاموشی سے اپنے سر جھکا لیے۔ میں اپنے ساتھ خالد سے ملاقات کے لیے کچھ مٹھائی بھی ساتھ لے گئی تھی کیونکہ وہ مٹھائی کے علاوہ کوئی کھانا اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ میں نے وہیں اپنا تھیلا کھولا اور فوجیوں اور ان کے افسروں میں مٹھائی تقسیم کرنا شروع کر دی۔ میں نے کہا: ''یہ لو مٹھائی کھاؤ! آج خالد کی شادی ہے۔ آج ان شاء اللہ میں اپنے خالد کو جنت کی حوروں کے حجلہء عروسی میں بھیج رہی ہوں''۔ اگلے دن میں اپنے بیٹے محمد سے ملنے جیل گئی تو ساتھ ہی دودھ اور کھجوریں بھی لیتی گئی۔ میں یہ چیزیں وہاں کے باسیوں اور سپاہیوں میں تقسیم کرتے ہوئے بولی: ''یہ میری طرف سے خالد کی دعوتِ ولیمہ ہے''۔ اس وقت مجھے ہر کوئی مبارک باد دے رہا تھا اور میں کہہ رہی تھی: ''میرے بیٹے خالد نے تو بہت نفع بخش تجارت کی ہے''۔ بہت سے لوگ اس موقع پر آب دیدہ بھی ہو گئے مگر اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ خالد اللہ کے پاس شہادت کا درجہ پا چکا ہے! ان شاء اللہ

ایک ماں کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے نوجوان مجاہدوں کی نسل تیار کریں، کیونکہ ہماری اولاد ہماری گردنوں میں اللہ کی ایک امانت ہے۔ اسلام صرف تقریریں کر لینے یا نعرے لگا لینے کا نام نہیں ہے، بلکہ کچھ نہ کچھ قربانی پیش کرنے اور عمل کرنے کا نام ہے۔ جب مسلمانوں کی عزت خاک میں ملائی جا رہی ہو، پاک دامن خواتین کے گھر ظالموں کے ہاتھوں لٹ رہے ہوں اور مسلم نوجوانوں کو یہ ظالم لوگ جیلوں میں ڈال کر اذیتیں پہنچا رہے ہوں، تو ماؤں کا فرض بنتا ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی اولاد پیش کرنے میں بخل سے کام نہ لیں۔ ہم نے اگر اس راستے میں کنجوسی کی تو ہم میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں۔ ہر مسلمان بیٹی سے میں یہ کہوں گی کہ آپ پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آپ ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس بات کا اہل بنائیں کہ مستقبل میں ایک نیک اور صالح بیوی ثابت ہو سکیں جس سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ راضی ہو جائے۔

ہر مسلمان بیوی سے میری یہ درخواست ہے کہ راہِ جہاد میں آپ کو اپنے شوہر کے لیے اس کی رفیقہء حیات کا کردار ادا کرنا ہے۔ آپ کا جہاد یہ ہے کہ اپنے بچوں کی صالح تربیت کریں، اپنے خاوند سے نیک برتاؤ رکھیں اور زندگی کی ہر آزمائش اور ہر مشکل میں اس کے شانہ بشانہ رہیں۔ زندگی اس چیز کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ آپ ہمیشہ اپنے شوہر پر نت نئی فرمائشوں کا بوجھ ڈالتی رہیں۔ آپ کو چاہئے کہ اللہ کی اطاعت

کرنے کے سلسلے میں اپنے خاوند کی مددگار بنیں اور اسے ہمیشہ اللہ کی یاد دلاتی رہیں کیونکہ یاددہانی مومنوں کو بڑا نفع پہنچایا کرتی ہے۔

اگر خالد شادی شدہ ہوتا تو میں اس کی بیوہ سے بھی یہی کہتی کہ بیٹی! صبر کرو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھو اور اسی طرح کہو جس طرح حضرت امِ سلمہؓ نے اپنے خاوند کی وفات کے وقت کہا تھا: **إنا لله و إنا إليه راجعون أللهم أجرني في مصيبتي واخلف لي الخير منها!** اے اللہ! میری اس مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور جس سے میں محروم ہوگئی ہوں اس کا نعم البدل عطا فرما! اس دعا کی قبولیت یہ ہوئی کہ اللہ نے ان ؓ کو (مرحوم) شوہر کی جگہ رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت عطا کی۔ حالانکہ وہ دعا کرتے وقت یہ سوچا کرتی تھیں کہ کیا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی نعم البدل ہوسکتا ہے؟

عالمِ اسلام کا جواب

کابل وغزنی وقندھار کے اے جانبازو!
کیوں بلاتے ہو ہمیں
شورِ تکبیر سے ایمان کا احساس دلاتے ہو ہمیں
دستکیں دیتے ہو ہر روز، ستاتے ہو ہمیں
آہ یہ کیسی غلط فہمی ہے
ہم تو مر کھپ بھی چکے
غور سے دیکھو کہ ہم لوگ فقط لاشیں ہیں
زندگانی نے کیا ہم کو حنوط
ہم پہ دولت کا ہے آسیب سوار
یہی آسیب اٹھاتا ہے، بٹھاتا ہے ہمیں
یہ رلاتا ہے، ہنساتا ہے ہمیں
دو قدم گاہے چلاتا ہے ہمیں
وہ نچاتا ہے ہمیں
ورنہ ہے دیر کی بات۔ اپنی وفات!

....

ہم ہیں ''کے ٹی'' کے کفن پہنے ہوئے
آبنوسی ہیں ہمارے تابوت
آرٹ کا آئینہ ہے ان کی تراش
فوم کے گدّے ہیں، تکیے ہیں، کشن اور غلاف
مرکری لیمپوں سے روشن ہیں ہماری قبریں

جھاڑ فانوس بھی ہیں

حسنِ کافر کی تصاویر ہیں دیواروں پر

بعد مرنے کے بھی کلچر ہے ہمارا زندہ

اپنے کلچر کے ہیں ہم لوگ شہید

ہم کہ مر کھپ بھی چکے، ہم سے تعرّض نہ کرو

....

یہ سینماؤں کی، بنکوں کی عماراتِ جدید

یہ مساجد کے منار و گنبد

کوٹھیاں ایکڑوں رقبے میں بہ ایں جاہ و جلال

اور پھر چاروں طرف جھونپڑیاں

سچ سمجھنا کہ یہ ساری ہیں ہماری قبریں

یہ پیاری قبریں

پیاری قبریں کہ مہیا ہے یہاں عیشِ حیات

دوزخی کہتا ہے واعظ تہِ محراب ہمیں

یہ شرف اپنا کہ برزخ ہوا جنت ساماں

بعد مرنے کے ہے آرام بہت

جامِ مے

طبلہ و نَے

عشرتِ کَے

کابل و غزنی و قندھار کے اے جانبازو!

ہم سے خیرات کے پیسے لے لو

معرکے اپنے مگر خود ہی لڑو

خود جیو، خود ہی مرو

ہمیں کیا!

ہم تو پہلے ہی پڑے ہیں مردہ!

ہمیں درپیش ہے مشکل اپنی

وقت محدود ہے، لذّات کی اتنی بہتات

جانے کب صورِ اسرافیل یکایک گونجے

اور پھر کچھ نہ رہے

اس لیے غزنی و قندھار کے اے جانبازو!

مت پکارو ہمیں

ہم پہ کچھ رحم کرو!

ہم کو قبروں میں تو آرام سے رہ لینے دو

....

اپنی قبروں میں زر و سیم کا وارد سیلاب

لہریں ٹکراتی ہیں اور بنتے ہیں پیہم گرداب

ڈبکیاں کھاتے ہیں ہم

ایک اک غوطہ ہے یاں ہوش ربا

تمھیں معلوم ہی کیا

تم تو بس لڑتے ہو اور جان لڑا سکتے ہو

کبھی اپنی طرح جیتے ہوئے مر کر دیکھو

اس نئی موت کو گاہے چکھو

ورنہ اتنا تو کرو، ہم کو مرا رہنے دو!

....

ہم کو کہتے ہو، وفادار نہیں

تم مجاہد ہو، مہاجر ہو، سمجھدار نہیں

نئی تہذیب کے تم واقفِ اسرار نہیں
ورنہ یہ غیرت وایمان وخودی کا چکّر
حریّت کے لیے ہر گام پہ کٹتے ہوئے سر
کیا عجب خبط یہ ہے، بیٹھ کے سوچو دم بھر
خیر! اب جانے دو بیکار کی بحثا بحثی
مختصر یہ ہے کہ تم مسلم ہو
اس لیے ہم کو محبت ہے کہ تم بھائی ہو
تم مسلمان ہو بھائی ہو، تو پھر رحم کرو
ہم ہیں مردے، ہمیں آ کر نہ سناؤ قصّے
کفر وایماں کی کشاکش سے ہمیں کیا مطلب؟
دن قیامت کا نہ آئے جب تک
ہمیں قبروں میں پڑا رہنے دو
فاتحہ ہم پہ پڑھو!
آگے چلو!

ابوتراب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آخری وصیت سے اقتباسات

سادگی اور شجاعت کے پیکر عالم زیب پاشا (ابوتراب) کا تعلق سرزمینِ ہزارہ سے تھا۔انھوں نے دنیا کی رنگینیوں کو تج کر افغانستان کے کوہ ودمن کو اپنا مسکن بنایا۔یہ بطلِ اسلام کئی سال تک قندھار و کابل کے محاذوں پر مجاہدینِ عرب وعجم کا سالار رہا۔امریکی استبداد کے خلاف ہمیشہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دفاع کی جنگ لڑتا رہا اور بالآخر قبائلی پٹّی میں صلیبی اتحادی فوج کے میزائلوں کا نشانہ بنا۔

تجھ پر اللہ کی رحمتیں ہوں اے ابوتراب! کہ تو نے اپنے بہتے خون سے ہمیں حق کا راستہ دکھلا دیا!

''جو شخص اللہ کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر چلے اس کے لیے دنیا آخرت میں سرخروئی ہے۔اور جو اس کے خلاف کرے گا، باطل نظاموں کو مانے گا، ان کا حصہ بنے گا.....وہ کل اللہ کے حضور خود جواب دے گا۔ اللہ نے اس دنیا میں آدمؑ سے لے کر آخری انسان تک تمام انسانوں کو امتحان کے طور پر بھیجا ہے۔اور یہ امتحان موت تک ہے کہ اللہ کی مان کر اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ جیسے ہم سے پہلے اس زمین پر لوگ بستے تھے، آج وہ اپنا وقت ختم کر کے چلے گئے۔ہم نے بھی اپنا وقت ختم کر کے چلے جانا ہے۔ ہر ایک فانی ہے اور باقی رہنے والی ذات صرف ربِ ذوالجلال کی ہے۔

احبابِ کرام!

میری چند گزارشات ہیں۔ان شاء اللہ ان پر عمل دونوں جہانوں میں سرخروئی کا باعث ہوگا۔سب سے پہلے بڑوں سے عرض ہے کہ اولاد کی نگرانی کریں۔خود سو فی صد دین پر چلیں۔قرآن سے جڑیں۔ قرآن میں غور و فکر کریں اور اپنے ماتحتوں کو دین کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیں۔عورتیں پردے کا خصوصی اہتمام کریں۔غیر محرموں میں سے کوئی خفا ہوتا ہے تو سو بار، لیکن ان عارضی رشتوں کی خاطر اللہ کو خفا نہ کریں۔اللہ نے جسے محرم کر دیا وہ ہی محرم ہے، باقی کوئی خالہ زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد وغیرہ محرم نہیں ہوسکتا۔شادی اور وفات پر غیر شرعی رسوم سے بالکل بچیں۔عورتوں میں دعوت کا کام تیز کر دیں۔ بچیوں کو پرائمری یا مڈل پڑھا کر مدرسوں میں داخل کروائیں۔بچوں کو کم از کم مکمل حافظ ضرور بنوائیں۔باقی

بچوں کو ویڈیو گیموں، تصاویر اور کمپیوٹر گیموں اور خصوصاً ٹی وی سے بچائیں اور گھروں کو ان نجاستوں سے پاک کریں۔

وکیلوں اور اس عدالتی نظام کے حصہ داروں سے دور رہیں اور اپنے مسئلے اور جھگڑے جرگوں میں بیٹھ کر اور اللہ کے قانون کے مطابق حل کریں۔ اگرچہ آپ کے ساتھ ظلم بھی ہوا ہے لیکن آپ اس کالے قانون کو کسی بھی صورت قبول نہ کریں۔ تھانوں میں رپورٹ لکھوانا، یہ بھی اس قانون کو قبول کرنے کا حصہ ہے۔ اگر آپ کو اس دنیا میں اپنا حصہ نہیں مل سکا تو قیامت کا دن آنا ہے۔ اس دن اللہ کی عدالت میں اپنا مقدمہ لڑنا۔ میری یہ وصیت ہے کہ میرے تمام احباب، والدین، بہن بھائی، حقیقی دوست، رشتہ دار جو محبت کرتے ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ اللہ کے لیے اس باطل نظام سے اس طرح بچیں جس طرح خنزیر کے گوشت سے بچا جاتا ہے۔ جیسے خنزیر کا گوشت اور اسے بیچ کر کمایا گیا مال ہر چیز حرام ہے، اسی طرح یہ عدالتی نظام بھی حرام ہیں۔

دوسری بات شریعت کے مطابق اور دین داری کو مدنظر رکھتے ہوئے رشتے ناطے کریں۔ اور دنیوی رواجوں کو توڑتے ہوئے سادگی کے ساتھ اپنی اولادوں کے ایمان کی حفاظت کریں۔ شادی کریں اور حسبِ استطاعت ولیمہ کر دیں۔ یہ یاد رکھیں جو مصیبت آپ پر آئی ہے وہ آنی مقدر تھی۔ دعا، نماز اور صبر کے ساتھ اس مصیبت پر ثابت قدم رہیے، تب اللہ کے ہاں درجے ملیں گے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام کریں۔ جہاد بمعنی قتال، اللہ کا فریضہ ہے بالکل ویسے ہی جس طرح نماز یا روزہ فرض ہیں۔ اس کے ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ قرآن پر پرکھیں کہ جہاد، قتال کون کر رہا ہے۔ دنیوی میڈیا اور حالات سے کبھی اثر نہ لیں۔ قرآن وسنت سے رہنمائی لیں.....ان شاء اللہ آپ مایوس نہیں ہوں گے.....

دعاؤں میں مجاہدین کو یاد رکھیں اور عوام وخواص کے مجمعوں میں قرآن سے رہنمائی لے کر ان کا دفاع کریں۔ کیونکہ اس وقت عالمِ کفر نیو ورلڈ آرڈر نافذ کرنے کے لیے سرگرم ہے جب کہ ہم صرف اور صرف اللہ کا حکم مانیں گے، یعنی قرآن کا قانون۔ ان شاء اللہ ہم اس کفر کا مقابلہ اپنی استطاعت سے بھی بڑھ کر کریں گے۔ ہم صرف کام کرنے کے، مقابلہ کرنے کے ذمہ دار ہیں، نتائج کے نہیں۔ جس طرح کھیتی بونے کے مراحل ہیں اسی طرح قربانیوں کے مراحل ہیں۔ ہم نے نتائج نہ دیکھے تو اسلام کی سربلندی آنے والی نسلوں کو ضرور ملے گی۔ اپنی ضروریات کم سے کم کریں۔ جو اللہ کی طرف سے کم روزی پر راضی ہوتا ہے

تو اللہ بھی اس کے کم عمل پر راضی ہوتے ہیں ۔فضولیات سے بچیں ۔

یہ میری وصیت ہے ۔ باقی میرے ذمے کسی کے روپے نہیں ہیں بلکہ بعض لوگوں کے پاس میرے روپے ہیں ۔ وہ سارا حساب میرے بھائی کے پاس کاپی میں ہے ۔ ان سے پردے میں ،اکرام سے وصول کرلیں ۔ باقی شہادت تو اللہ کی نعمت ہے ۔شہادت کی اطلاع ملنے پر ہر وہ شخص جسے اطلاع ملے میری شہادت کی ،وہ رونے کے بجائے اچھی طرح وضو کرے اور دو نفل پڑھ کر اللہ سے میری شہادت کی قبولیت کی دعا کرے ۔گھر میں جو تعزیت کرنے آئے تو اسے کوئی بھی نہ بلائے کیونکہ شہید کے فضائل سے آپ سب واقف ہیں ۔جس طرح شادی کے موقع پر خوشی ہوتی ہے اس سے بڑھ کر شہادت کے موقع پر خوشی ہونی چاہیے ۔اور شادی والے دن تو دشمن خفا ہوتا ہے ،میری شہادت پر ناراض تو وہ ہوگا ،روئے گا ، پیٹے گا جو میری خوشی نہیں دیکھ سکتا ۔آنے والوں کو مبارک باد دیں اور لیں ۔امی ،عورتوں سے کہیں کہ کوئی عورت تعزیت نہ کرے بلکہ مجھے مبارک باد دے ۔اسی طرح بہن بھائی سارے ۔ایک خوشی کا ماحول ہونا چاہیے جیسے شادی کے موقع پر ہوتا ہے کیوں کہ اللہ کا شہید سے ۷۲ حوروں سے شادی کا وعدہ ہے ۔

یہ میری وصیت ہے جو کہ کرنا یا لکھ کر رکھنا سنت ہے ۔حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ہر مسلمان جس کے پاس وصیت کرنے کے قابل کوئی چیز ہو ،اس پر یہ حق ہے کہ دو راتیں اس پر نہ گزریں مگر یہ کہ وصیت اس کے پاس موجود ہو‘‘ ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم قارئین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حطّین پڑھنے کا شکریہ!

ہم آپ سے یہ نہیں کہتے کہ آپ ہمارے اگلے شمارے کا انتظار کیجیے۔ بلکہ ہماری خواہش ہے کہ آج ہی سے اپنے آپ پر عائد فریضے کی ادائیگی کے لیے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ جس 'علم' کا حاصل 'عمل' نہ ہو اس کا کیا فائدہ؟

اس مجلّے کو جاری کرنے کا مقصد یہی تھا کہ مجاہدین کی آواز براہِ راست آپ تک پہنچ سکے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ مجلّہ جہاد میں آپ کے لئے نشانِ راہ کے طور پر کام آئے کیونکہ اس ساری کاوش کا مقصد اپنے قارئین کو صرف اتنا احساس دلانا ہے کہ:

''آپ حالتِ جنگ میں ہیں''

والسّلام

حطّین

''جس نے کافروں کو عزت دی اس نے اہلِ اسلام کو ذلیل کیا!''

''اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ایک کو ثابت وقائم کرنا دوسرے کے دور ہو جانے کا باعث ہے اوران دونوں کے جمع ہو جانے کا احتمال محال ہے۔ایک آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا کہ:

﴿ يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی برتئے...''معلوم ہوا کہ(کافروں پر)پر سختی کرنا خلقِ عظیم ہے....پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے۔جس نے کافروں کو عزت دی اس نے اہلِ اسلام کو ذلیل کیا۔

ہندوستان میں اہلِ کفر سے جزیہ وصول کرنے کا باعث یہی ہے کہ اہلِ کفر اس ملک کے بادشاہوں کے ساتھ ہم نشیں ہیں۔ان سے جزیہ لینے کا اصل مقصود ان کی ذلت وخواری ہے اور یہ خواری اس حد تک ہے کہ (اہلِ کفر) جزیے کے ڈر سے اچھے کپڑے نہ پہن سکیں اور شان وشوکت سے نہ رہ سکیں۔حق تعالیٰ نے جزیے کو ان کی ذلت وخواری کے لیے وضع فرمایا ہے،اس سے مقصود ان کی رسوائی اور اہلِ اسلام کی عزت اور غلبہ ہے''۔

(مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ،مکتوباتِ امام ربّانی،ج ا۔ص ۲۷۵)